ماہنامہ المرشد

جون 2016ء

شعبان المکرم / رمضان المبارک 1437ھ

اللہ
رسول
محمد

عَنْ اَبِی ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلشَّیْطَانُ جَاثِمٌ عَلٰی قَلْبِ اِبْنِ اٰدَمَ فَاِذَا ذَکَرَ اللّٰہَ خَنَسَ وَاِذَا غَفَلَ وَسْوَسَ (رواہ البخاری)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی رحمت ﷺ نے فرمایا کہ شیطان انسان کے قلب پر نظر جمائے گھات میں بیٹھا رہتا ہے جب انسان اللہ کا ذکر کرے وہ دور ہٹ جاتا ہے اور جب یادِ الٰہی سے غافل ہو۔ شیطان آگے بڑھ کر اس کے قلب میں طرح طرح کے وسوسے ڈالتا ہے۔

اپنی ترجیح کو اللہ کے قرب تک لے جاؤ کہ اللہ تجھے تو چاہیے سب اس کے لیے منزلیں سے تو اللہ پہنچاتا ہے۔ (صفحہ نمبر 14)
شیخ المکرم حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

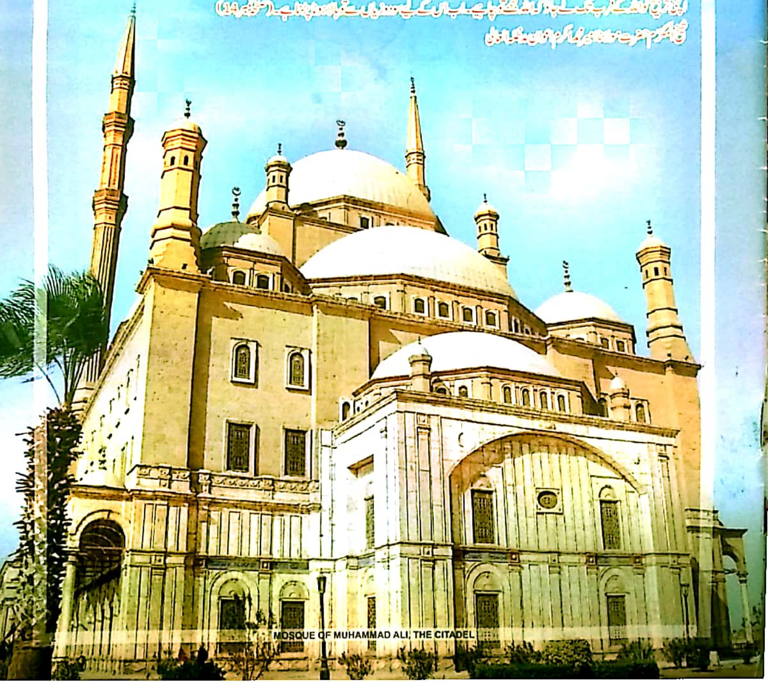

تصوف

تصوف کیا ہے؟

دین کا ہر حکم ہی درحقیقت کامیابی کا راستہ ہے۔ ہر کام کرنے کا صحیح ترین اور آسان ترین اسلوب ہے۔ عبادات انسان کو منزلِ مقصود تک پہنچانے کا سبب ہیں۔ نماز کی دعوت ہی حی علی الفلاح ہے''آؤ کامیابی کی طرف''۔'فلاح' سے مراد حقیقی کامیابی و کامرانی ہے جس میں کسی ناکامی کا تصور بھی نہ ہو۔ جو شخص فلاح پائے اس کی زندگی ہر حال میں کامیاب ہے۔ دنیا کے مادی نقصانات بھی اُس کے دل کو پریشان نہیں کر سکتے اس لیے کہ وہ اپنے رب کی رضا پر راضی رہتا ہے۔ موت کا حادثہ بھی اُسے متاثر نہیں کرتا کہ وہ محبوب کی بارگاہ میں پہنچ جاتا ہے۔ حتیٰ کہ قیامت کا زلزلہ بھی ایسے لوگوں کو پریشان نہیں کرے گا۔ اب جبکہ ہر عبادت اس 'فلاح' کی طرف دعوت دیتی ہے۔ ایک شعبہ دین ایسا بھی ہے جو اختیار کیا جائے تو شروع سے ہی اعلان کر دیتا ہے کہ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وہ یقیناً مراد کو پہنچ گیا، کامیاب ہو گیا جس نے اپنا تزکیہ کیا۔ گویا تزکیہ نفس، باطنی پاکیزگی ایک ایسا کام ہے کہ جو اس میں مشغول ہو گیا وہ کامیاب ہو گیا۔ یہ نہیں کہ وہ کامیاب ہو جائے گا بلکہ وہ کامیاب ہو گیا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کی مقدس جماعت نے یہ نعمتِ تزکیہ براہِ راست قلبِ اطہر رسول اللہ ﷺ سے وصول کی۔ اُن کی زندگیوں کے روشن باب ہمارے سامنے ہیں۔ بہت سے ایسے صحابیؓ بھی ہیں جو ایمان لاتے ہی شہادت سے سرفراز ہوئے۔ دین کی تعلیمات اُن تک پہنچی نہیں لیکن تزکیہ اس پائے کا نصیب ہوا کہ اُنہی کا حصہ ہے۔ تزکیہ ہی تصوف ہے۔ جو شخص اپنی باطنی اصلاح اور صفائی میں مشغول ہو گیا وہ یقیناً کامیاب ہو گیا۔

تزکیہ ایک ایسا سکونِ قلبی عطا کرے گا جہاں بھروسہ صرف اللہ پر کرنے کا حوصلہ عطا ہو گا۔ دل غیر اللہ سے پاک ہو کر قلب سلیم بن جائے گا۔ یہی قلب سلیم وہ پاسپورٹ ہے جو آخرت میں اللہ کی بارگاہ میں کامیاب لوگوں کی دستاویز ہے۔ اس دن نہ مال کام آئے گا نہ بیٹے لیکن قلب سلیم کام آئے گا جو اُسے جنت میں لے جائے گا۔

کسی شیخ کامل کی صحبت میں اُنہی برکات کو جو قلب اطہر رسول اللہ ﷺ سے جاری و ساری ہیں، انعکاسی طور پر وصول کرنے کا فن تصوف ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ
المرشد
PS/CPL#15

بانی: حضرت العلام مولانا اللہ یار خان مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

جون 2016ء شعبان/رمضان المبارک 1437ھ

جلد نمبر 37 شمارہ نمبر 10

مدیر: محمد اجمل

معاون مدیرہ: آصفہ اکرم (اعزازی)

سرکولیشن منیجر: محمد اسلم شاہد

قیمت فی شمارہ: 40 روپے

بدل اشتراک

پاکستان 450 روپے سالانہ، 235 روپے ششماہی

بھارت/سری لنکا/بنگلہ دیش	1200 روپے
مشرق وسطیٰ کے ممالک	100 ریال
برطانیہ یورپ	35 اسٹرلنگ پاؤنڈ
امریکہ	60 امریکن ڈالر
فار ایسٹ اور کینیڈا	60 امریکی ڈالر

فہرست

اسرار التنزیل سے اقتباس	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	3
اداریہ	صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان	4
طریقہ ذکر		5
کلام شیخ	سیماب اویسی	6
اقوال شیخ	انتخاب	7
آخرت کی زندگی	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	8
مسائل السلوک	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	15
اکرم التفاسیر سورۃ السجدہ (22-13)	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	20
سوال و جواب	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	28
حیات جاوداں جلد اول سے اقتباس	ابوالاحمدین	37
خواتین کا صفحہ	اُم فاران، راولپنڈی	44
بچوں کا صفحہ	ع خان، لاہور	46
مسائل جمیلہ	حکیم عبدالماجد اعوان، سرگودھا	48
الطب	حکیم عبدالماجد اعوان، سرگودھا	50
Translated Speech	Ameer Muhammad Akram Awan MZA	54
Tassawuf	Maulana Allah Yar Khan(RAU)	57

انتخاب جدید پریس لاہور 042-36309053 ناشر: عبدالقدیر اعوان

سرکولیشن و رابطہ آفس: ماہنامہ المرشد، 17 اویسیہ سوسائٹی روڈ ٹاؤن شپ، لاہور
Ph: 042-35180381
Mob:0303-4409395, Email:monthlyalmurshed@gmail.com

ختم خریداری کی اطلاع
یہاں اس دائرے میں اگر کراس X کا نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔

مرکزی دفتر: دارالعرفان ڈاکخانہ نور پور ضلع چکوال۔ ویب سائٹ سلسلہ عالیہ www.oursheikh.org
Ph:0543-562200, Fax:0543-562198 Email:darulirfan@gmail.com

''قرآن حکیم کو اس نیت سے پڑھو کہ میرا پروردگار مجھ سے باتیں کر رہا ہے۔''

اچھوتے انداز اور منفرد طرزِ تحریر کی حامل
تفسیر قرآن حکیم اسرار التنزیل سے اقتباس

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ...... كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ. (البقرة:71)

شیخ کے ساتھ جرح نہ کرے:

مگر جوں جوں سوال کرتے گئے خلیہ مقرر ہوتا گیا۔ لہٰذا اگر شیخ حکم دے تو اس میں مزید سوال کر کے اپنے لیے مشقت پیدا نہ کرے۔ جیسے کسی کو وظیفہ بتایا جائے کہ درود شریف کی اتنی تسبیحات پڑھ لیا کرو تو جونسا درود شریف بھی پڑھ لے گا ٹھیک ہے، لیکن اگر پوچھ بیٹھا کہ جی کونسا؟ تو وہی پڑھنا ضروری ہوگا جو شیخ مقرر کر دے۔ یہی حال تعین وقت کا ہے ورنہ مقصد پورا نہ ہوگا۔

یہاں مفسرین نے ایک اور عجیب واقعہ نقل فرمایا ہے کہ کوئی نیک شخص فوت ہوا تو اُس کے پاس ایک بچھڑی تھی جو اُس نے جنگل میں ہانک دی اور دعا کی اللہ! یہ تیرے سپرد ہے، میرے بیٹے کی گزر اوقات کا سبب اسے بنا دے۔ تو وہ خوب پلی بڑھی۔ جوں جوں یہ سوال کرتے گئے، اللہ کریم اس کا خلیہ بیان فرماتے رہے۔ اُس جیسی کوئی دوسری مل نہ سکتی تھی۔ اُدھر اُس کے دل میں ڈال دیا کہ ان سے خوب قیمت وصول کرو چنانچہ بعض کے نزدیک اس کی کھال میں اشرفیاں بھر کر انہیں دینا پڑیں۔ یہ اپنی طرف سے بہت عقلمند بن رہے تھے اور مین میخ نکال رہے تھے مگر ان کی عقلمندی کا فائدہ اللہ تعالیٰ اُن کو پہنچانا چاہتا تھا جو محض اس کے بھروسے پر بیٹھے تھے۔

لہٰذا نہ احکامِ شریعت پہ اعتراض درست نہ اتباعِ شیخ میں حیل و حجت کی ضرورت۔ اس سے دنیاوی مصائب تو ضرور ہی وارد ہوتے ہیں اور ایمان کا خطرہ مزید ہے۔ یہاں دیوانگی کی قیمت ہے اور فریفتہ ہونے کا نام عقل ہے، سوچ بچار کو یہاں مصیبت کہتے ہیں۔

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا...... مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ. (البقرة:72)

پھر اس بات کو یاد کرو جب تم نے یعنی تمہارے اجداد نے ایک قتل کر دیا اور ایک دوسرے کو الزام دینے لگے مگر جس شے کو تم چھپانا چاہتے تھے اللہ اُسے ظاہر کرنا چاہتا تھا۔

یہاں تقدیم و تاخیر واقع نہیں ہے کہ قتل تو پہلے ہوا اور پھر گائے کے ذبح کا حکم اور واقعہ ہوا مگر اللہ کریم نے پہلے گائے کا واقعہ ارشاد فرمایا اور بعد میں قتل کا۔ اس کا باعث یہ ہے کہ یہاں بنی اسرائیل پر احسان ارشاد ہو رہے ہیں، تاریخ دہرانا مقصود نہیں۔ تو گائے کا واقعہ اس لحاظ سے پہلے بیان ہونا چاہیے کہ دیکھو کس بے دلی سے اور طرح طرح کی باتیں کر کے تم نے گائے ذبح کی، مگر ہماری عنایات اور ہمارے کرم کو دیکھو کہ اس سے تمہیں وہ مقصد حاصل ہو گیا یعنی قاتل کا پتہ چل گیا۔ جو تمہارے اس بے دلی کے عمل سے ہونا تو نہ چاہیے تھا مگر ہم نے حکم دیا کہ گائے کا کوئی حصہ، گوشت کا ٹکڑا، اُس کے جسم سے لگاؤ۔ گوشت کا مَس ہونا تھا کہ مُردہ اُٹھ بیٹھا اور ساری بات اپنی زبان سے بتا کر، مر گیا۔ اس سے نہ صرف قاتل کا پتہ چل گیا بلکہ قدرتِ باری کا ایک اور مظہر تمہارے سامنے آیا اور تم نے اپنی آنکھوں سے مردے کو زندہ ہوتے اور باتیں کرتے دیکھا اور سنا۔ اسی طرح اللہ قادر ہے، قیامت کو تمام مردوں کو زندہ کرے گا۔

اداریہ

عریشِ بدر

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۖ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ

پس آپ نے ان کو قتل نہیں کیا و لیکن اللہ نے ان کو قتل کیا اور جب آپ نے (خاک کی مٹھی) پھینکی تو آپ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی۔

عریش کے معنی سائبان کے ہیں کہ جو عارضی طور پر سایہ مہیا کرے مگر جب بات عریشِ بدر کی ہوگی تو یہاں اللہ پاک نے تمام انسانیت کو ایسا سایہ عطا فرمایا کہ جو اس سائے میں آئے گا اُسے قیامت کی سوا نیزے پہ برستی تپش میں بھی ٹھنڈک نصیب ہوگی۔

غزوۂ بدر کے موقع پر نبی کریم ﷺ کے قیام کے لیے جو سائبان تیار کیا گیا وہ عریشِ بدر کے نام سے موسوم ہوا۔ مقام بدر مدینہ منورہ سے جنوب مغرب میں اسی (80) میل کے فاصلے پر واقعہ ہے۔ بدر نام کی وجہ تسمیہ ایک کنواں ہے۔ روایت کے مطابق بدر بن حارث یا بدر بن کمدہ نے کنواں کھدوایا تھا۔ واللہ اعلم

یہ مقام مکہ مکرمہ سے شام کے لیے تجارتی قافلوں کی راہ پر ہونے کی وجہ سے اہمیت کا حامل تھا۔ سالانہ میلے کا انعقاد ہوتا تھا اور تجارتی قافلے اور قرب و جوار کے لوگ جمع ہو جاتے تھے۔ مشرکین مکہ نے نبی کریم ﷺ کی دشمنی میں ایک تجارتی قافلہ اس غرض سے ملک شام روانہ کیا کہ اس کی تمام آمدنی سے اسلام کے خلاف بھرپور قوت حرب جمع کی جائے گی۔ روایات کے مطابق اُس زمانے میں پچاس ہزار اشرفیوں کی مالیت جمع کی گئی جو کہ ایک خطیر رقم تھی۔ تجارتی قافلے کی اطلاعات اور نقل و حرکت پر تدبیر فرماتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے پیش خیمہ کے طور پر اس قافلے کو روکنے کا ارادہ فرمایا۔ ابوسفیان (قافلے کا سردار) انتہائی کامیاب تاجر ہونے کے ساتھ جنگی حکمتِ عملی کا ماہر بھی تھا۔ اس کی اطلاع پر اہل مکہ بھرپور قوت سے قافلے کے تحفظ کو نکلے۔ مزید برآں ابو جہل کی دشمنی ہو یا شیطان مردود کا سراقہ بن مالک کے روپ میں مشرکین کو اسلام کے خلاف میدانِ کارزار میں اُتارنا، یہ ایک پہلو ہے اور قدرت کے امور تکوینی ہوتے ہیں۔ اس لیے غزوۂ بدر کو اللہ پاک نے اپنے کلام میں یوم الفرقان ارشاد فرمایا، حق و باطل میں تفریق کرنے والا دن۔

بارہ (12) رمضان المبارک کو تین سو تیرہ (313) نفوس پر مشتمل اسلامی لشکر امام انبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امامت میں بدر کو روانہ ہوا۔ تقریباً 60 مہاجرین، 253 انصار، 70 اونٹ، 2 گھوڑے انتہائی قلیل آلات حرب و خوراک مگر پرجوش چہرے اور ایمان سے لبریز سینے۔ اُدھر مشرکین مکہ ایک ہزار کی تعداد اور جنگی آلات سے لیس لشکر جس میں سو (100) کے قریب گھڑ سوار، چار سو (400) کے قریب زرہ پوش، بے شمار اونٹ اور وافر خوراک اور سامانِ تعیش کے ساتھ غرور اور گھمنڈ سے سرشار۔

میدانِ بدر میں پہنچنے سے پہلے نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو خوشخبری سنائی کہ اللہ پاک نے مجھے قافلہ و لشکر میں سے کسی ایک پر فتح عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ مشاورت کے بعد میدانِ کارزار کا فیصلہ فرمایا اور سترہ (17) رمضان المبارک شبِ جمعہ 2 ہجری بمطابق لگ بھگ سترہ (17) مارچ 624 عیسوی کی رات اللہ پاک کے حضور فتح و نصرت کے لیے گڑگڑاتے بسر فرمائی۔ اہلِ بدر کی عظمت کہ آپ ﷺ نے انہیں سارے کا سارا اسلام فرمایا۔ ''اے اللہ! اگر آج یہ مٹھی بھر نفوس ہلاک ہو گئے تو پھر قیامت تک تمام روئے زمین پہ تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔ (صحیح بخاری، مسلم، ترمذی، سند امام احمد) حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ''جہاں جہاں حضور ﷺ نے فرمایا تھا وہ کافر وہیں قتل ہوا'' (مشکوٰۃ، مواج النبوت) نصرت الٰہی کی نوید کے باوجود آپ ﷺ نے موجود وسائل بروئے کار لاتے ہوئے اللہ پاک کے حضور اتنی دعا فرمائی کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بڑھ کر سہارا دیا اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ بس کریں، اتنا اپنے آپ کو تکلیف میں نہ ڈالیں۔ اللہ پاک فتح و نصرت عطا فرمائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے نصرت فرمائی۔ چودہ (14) شہداء، چھ (6) مہاجرین اور آٹھ (8) انصار شہادت سے سرفراز ہوئے اور ستر (70) مشرک قتل ہوئے اور ستر (70) گرفتار ہوئے۔ بیشتر بلند و بے باک، ہجوِ رسول ﷺ میں جتلا زبانیں خاک کی نظر ہو گئیں۔

غزوۂ بدر میں بے شمار عظمتیں پنہاں ہیں جو رہتی دنیا تک راہنمائی کا سبب ہیں اور آج اگر ہم بحیثیت مسلمان من حیث القوم اپنی تنزلی یا انفرادی زبوں حالی کا حل غزوۂ بدر میں تلاش کریں تو بہت واضح نظر آتا ہے کہ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنے سینوں میں عریشِ بدر سجائیں یعنی ''موجودہ وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے توکل علی اللہ''! یہ ایسا سنہری اصول ہے جو ایک فرد کی ترقی سے قوم کی ترقی تک کی ضمانت ہے۔

صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان

ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ بندے کو اپنے کچھ نہ ہونے اور اللہ کے سب کچھ ہونے کا احساس ہو جائے۔

ذاتِ باری کے معاملے میں اپنے نہ ہونے کا ادراک ہو جائے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں سب کچھ وہ ہے۔

شیخ المکرم مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

طریقہ ذکر

ذکر شروع کرنے سے پہلے یہ تسبیحات پڑھیں: سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ O أَسْتَغْفِرُ اللهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّأَتُوْبُ إِلَيْهِ O أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ O أَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ O بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ O پھر ذکر شروع کردیں طریقہ نیچے درج ہے۔

دیئے گئے نقشے میں انسان کے سینے، ماتھے اور جسم پر لطائف کے مقامات بتائے گئے ہیں جن کا خیال کر کے ذکر کیا جاتا ہے۔

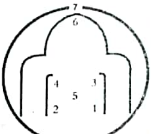

پہلا لطیفہ: مکمل یکسوئی اور توجہ کے ساتھ ہر سانس کی آمدورفت پر اس طرح گرفت ہو کہ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ قلب پر لگے۔ دوسرے لطیفے: کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ دوسرے لطیفے پر لگے۔ اسی طرح تیسرے چوتھے اور پانچویں لطیفہ کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اللہ دل میں اترے اور خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ اس لطیفہ پر لگے جو کیا جا رہا ہو۔

چھٹا لطیفہ: ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کا شعلہ پیشانی سے نکلے۔

ساتواں لطیفہ: ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کا شعلہ پورے بدن کے ایک ایک مسام اور خلیہ سے باہر نکلے۔

ساتویں لطیفہ کے بعد پھر پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ سب سے پہلے بیان ہوا ہے۔ ذکر کے دوران سانس تیزی اور قوت سے لیا جائے اور ساتھ ہی جسم کی حرکت جو سانس کے تیز عمل کے ساتھ خود بخود شروع ہو جاتی ہے۔ پورا خیال رہے کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ توجہ قلب پر مرکوز اور ذکر کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔

رابطہ: لطائف کے بعد رابطہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے۔ کہ رابطہ کے لئے سانس کی رفتار کو طبعی انداز پر لا کر ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' قلب کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ عرش عظیم سے جا ٹکرائے۔ ذکر کے بعد دعا مانگیں اور آخر میں شجرہ سلسلہ عالیہ پڑھیں جو اگلے صفحہ پر درج ہے۔

شجرہ مبارک

سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ؔO

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O

الٰہی بحرمتِ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

الٰہی بحرمتِ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

الٰہی بحرمتِ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت داوٗد طائی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ ابوایوب حضرت محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ سلطان العارفین حضرت خواجہ اللہ دین مدنی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت مولانا عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت قلزم فیوضات حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ ختم خواجگان خاتمۂ مَن و خاتمۂ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی بخیر گردان

وَصَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْن۔

بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْن

کلامِ شیخ

شیخ المکرم شاعری فرماتے ہیں ان کے دو تخلص ہیں سیمابؔ اور فقیرؔ۔ شعری مجموعے درج ذیل ہیں۔

گردِ سفر	کون سی ایسی بات ہوئی ہے	نشان منزل
متاعِ فقیر		سوچ سمندر
آس جزیرہ	دل دروازہ	دیدۂ تر

"اللہ کی شاہی"

(منتخب اشعار)

تیری ہر ادا میں اے نورِ مجسمؐ
ہے پنہاں تجلی ذاتِ الٰہی

نہیں بات مخفی یہ اہل نظر سے
زمانے نے دی ہے اس پر گواہی

جو ہٹ کر چلیں تیری راہوں سے آقاؐ
مقدر میں ان کے لکھی ہے تباہی

زمانے سے پنجہ لڑائیں گے پھر وہ
تڑپ دل میں رکھتے ہیں تیرے سپاہی

تیرے وصل کا یہ حسین راستہ ہے
تیرے دین کی خوں سے دیں گے گواہی

عطا نور ہو پھر سے اُمت کو آقاؐ
کریں دُور ذہنوں سے ان کے سیاہی

زمانے کو دیں تیرا پیغام سیمابؔ
ہو قائم زمانے پہ اللہ کی شاہی

سیمابؔ اویسی "دیدۂ تر" سے انتخاب

اقوالِ شیخ

-1 کردار کی اصلاح کے لیے احتساب کا ڈر رکن اول ہوتا ہے۔(اکرم التفاسیر، جلد اول:صفحہ:33)

-2 خالق کو سمجھنا صرف نورِ نبوت سے ممکن ہے اور جو نبیؐ پر ایمان نہیں لائے گا وہ خالق کو نہیں سمجھ سکتا، نہ مان سکتا ہے، نہ جان سکتا ہے۔(اکرم التفاسیر، جلد:3، صفحہ:45)

-3 انفاق کے بھی سارے وہی راستے بھلے ہیں جو آقائے نامدار ﷺ نے تعلیم فرمائے اور اسی طریقے سے بھلے ہیں جس طریقے سے حضور اکرم ﷺ نے تعلیم فرمائے۔(اکرم التفاسیر، جلد:3، صفحہ:82)

-4 اگر کوئی عبادت بھی کرتا ہے اور اعمال بھی نہیں سدھرتے تو پھر اسے دیکھنا ہوگا کہ اس کی عبادت میں کوئی کمی ہے یا عقیدے میں کوئی خلل ہے۔(اکرم التفاسیر، جلد:3، صفحہ:113)

-5 دراصل معرفتِ الٰہی اور معرفتِ پیغمبر ﷺ ہی دانش کی بنیاد ہے۔(اکرم التفاسیر، جلد:3، صفحہ:113)

-6 اگر دین بیان کرنے والے لوگ خود لوگوں کے محتاج ہوں گے تو وہ اللہ کا دین بیان نہیں کر سکیں گے، انہیں وہ باتیں کہنی پڑیں گی جو لوگوں کو پسند ہوں۔(اکرم التفاسیر، جلد:9، صفحہ:58)

-7 حیاتِ انسانی یہ ہے کہ جس میں بھوک کا بھی ادراک ہو، اللہ کی عظمت کا بھی ادراک ہو، اپنے جینے مرنے اور اس کے حقائق کا بھی ادراک ہو اور مابعد الموت کی کیفیات کا بھی ادراک ہو۔

(اکرم التفاسیر، جلد:20، صفحہ:30)

-8 اپنے نفع و نقصان کی فکر ہو نہ ہو، ہر مسلمان کو کم از کم یہ احساس ضرور ہونا چاہیے کہ وہ ایذائے رسول ﷺ سے بچے۔ (اکرم التفاسیر، جلد:3، صفحہ:35)

-9 اللہ کریم نے اس کائنات میں تعلقات کا ایک توازن قائم کیا ہے۔نتائج کو اسباب سے متعلق کر دیا اور اسباب کو نتائج کے ساتھ رشتے کی لڑی میں پرو دیا۔(اکرم التفاسیر، جلد:9، صفحہ:47)

-10 زندگی میں جسم کی سلامتی کے لیے جو اہمیت سانس کو حاصل ہے وہی حیثیت روح کے لیے یادِ الٰہی کی ہے۔نماز اور تلاوت کا فائدہ اصلاحِ قلب پر موقوف ہے۔

(کتابچہ اصلاحِ قلب اور ضرورتِ شیخ، صفحہ:9)

-11 اسبابِ رحمت کو ترک کرنا غضبِ الٰہی کو دعوت دینے کے برابر ہے۔ (نقوشِ حق، ص:530)

ماہانہ بیان

3 اپریل 2016ء

آخرت کی زندگی

الشیخ حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ O وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ O اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ O بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ O

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ط وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ م لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (64) وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ (العنکبوت:69)

اَللّٰهُمَّ سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ O مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ. وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ. وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ. يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ. (طٰہٰ:25 تا 28) رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا. (طٰہٰ:114)

اللہ جل شانہٗ کی یہ آخری کتاب سراپا حق ہے۔ زندگی، موت، مابعد الموت، زندگی سے پہلے کیا تھا، اس زندگی کے بعد کیا ہوگا؟ تمام حقائق کو بڑے واضح، آسان اور دلنشیں انداز میں بیان فرماتی ہے۔ لَا رَيْبَ فِيْهِ (البقرہ:2) حتمی اور یقینی بات کرتی ہے جس میں ادنیٰ سا شبہ نہیں۔ انسان قدرت کا ایک عجیب آمیزہ ہے اور یہ اللہ ہی کر سکتا ہے۔ اس نے مادّے کی مختلف اشکال کو جمع فرما کر ان کے ساتھ روح کا رابطہ کر دیا۔ مادّہ انتہائی کثیف چیز ہے، روح کا تعلق عالمِ امر سے ہے جو انتہائی لطیف ہے۔ مادّے سے وجود بنا، مادّی نظام کو قائم رکھنے کے لیے اسے دماغ عطا فرمایا۔ عالمِ امر سے روح اس میں داخل فرمائی۔ دائمی، ابدی حقیقتوں کو جاننے کے لیے اسے لطیفۂ قلب عطا فرمایا۔ جس طرح دماغ سے کام لینے کے لیے، جوں جوں بچہ بڑا ہوتا ہے مختلف مدارس میں، مختلف سکولوں میں، مختلف اساتذہ کے ساتھ جاتا سیکھتا چلا جاتا ہے۔ جو لوگ کسی سکول نہیں جاتے، استاد سے نہیں سیکھتے وہ بھی انسان ہوتے ہیں لیکن جو سیکھتے ہیں ان میں اور جو نہیں سیکھتے ان میں کتنا فاصلہ ہے۔ جو نہیں سیکھتے وہ زندگی میں اپنا ایک گھر نہیں چلا سکتے، جو سیکھتے ہیں وہ ملک چلا لیتے ہیں۔ ہیں تو دونوں انسان، وہی مادی اجزا ان کے بھی ہیں، ویسی ہی روح ان کی بھی ہے، تو کتنا فاصلہ ہے کہ جو جتنا سیکھتے ہیں وہ اتنے اعلیٰ مراتب تک پہنچتے ہیں وہ ایک ملک کے نظام کو چلانے کے قابل ہو جاتے ہیں اور جو نہیں سیکھتے وہ اپنا ایک ذاتی گھروندا بھی صحیح طرح نہیں چلا سکتے۔ اسی طرح اس لطیفۂ قلب کو بھی سکھانا پڑتا ہے اور اس کے دو ہی پہلو ہیں اور یہ دماغ کی طرح درمیان میں نہیں رہتا کہ مادی علوم کوئی نہ بھی سیکھے پھر بھی اُسے اتنا ادراک ہوتا ہے کہ کھانا کھانا ہے، پیاس لگی ہے پانی پینا ہے، نیند آئی ہے سونا ہے، بستر چاہیے، کپڑا چاہیے۔ یہ جو روزمرہ کی ضروریات ہیں وہ بھی سمجھتے ہیں، اچھی نہ سہی، کمتر سہی۔ قلب کا، روح کا معاملہ البتہ نازک ہے۔ قلب یا زندہ ہوتا ہے یا مردہ، درمیان میں اس کے کوئی جگہ نہیں ہے۔ مردہ قلب بالکل احساس سے محروم ہو جاتا ہے۔

مردہ سے مراد یہ ہے کہ اسے کوئی ادراک نہ رہے، جیسے نہ

کھانے کا ہوش ہو، نہ پینے کا، نہ کپڑے کا، نہ لباس کا، نہ گرمی کا، نہ سردی کا۔ اس طرح ہوجاتا ہے کہ اسے کوئی احساس نہیں رہتا۔ اسے قرآن مردہ کہتا ہے کہ جس بندے کے سینے میں دل مردہ ہے اس بندے کو قرآن مردہ کہتا ہے۔ دوسرے جو واقعی مرجاتے ہیں، قتل ہوجاتے ہیں ان کے جسموں کے پرخچے اُڑ جاتے ہیں لیکن ان کے دل زندہ ہوتے ہیں۔ اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں تو اللہ کا قرآن میں ارشاد ہے کہ انہیں مردہ نہ کہو بلکہ ان کے بارے میں گمان بھی نہ کرو کہ وہ مرگئے ہیں بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ (آل عمران:169) وہ بھی کھاتے پیتے ہیں، اللہ کے ہاں زندہ ہیں۔

زندگی کے یہ حقائق قرآن کریم بتاتا ہے۔ قرآنِ کریم نے یہاں بڑے واضح انداز میں بتایا ہے کہ یہ زندگی کیا ہے۔ وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ (العنکبوت:64) سوائے کھیل تماشے کے اس میں کچھ بھی نہیں، جیسے کوئی بندہ خرافات میں لگا رہے، سینما تھیٹر دیکھتا رہے، آوارہ گردی کرتا رہے۔ واپس آئے تو گھر بھی لٹ چکا ہو، خانہ برباد ہوچکا ہو، چور ڈاکو لے گئے ہوں، گھر والے قتل ہوگئے ہوں۔ تو یہ دنیا ایسی ہے کہ مادی رزق کماتے رہو، مال جمع کرتے رہو، عہدے جمع کرتے رہو، بہت کامیاب ہوگئے تو جب آنکھ بند ہوتی ہے تو گھر بھی لٹ چکا ہوتا ہے اور دنیا بھی چلی جاتی ہے۔ مَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ یہ دنیوی زندگی کیا ہے؟ سوائے اس کے کچھ بھی نہیں ہے، یہ نہیں کہا کہ یہ دنیا کھیل ہے، فرمایا: نہیں یہ دنیا ہے کیا؟ سوائے کھیل تماشے کے کچھ بھی نہیں ہے یعنی بہت تاکید سے فرمایا: یہ صرف کھیل تماشا ہے، ظاہری ہے، جیسے بچے کھیل رہے ہوتے ہیں وہاں بڑے خوش ہورہے ہوتے ہیں، میں نے یہ جیت لیا، میں نے وہ کرلیا، میں نے دوڑ جیت لی، میں نے گیم (Game) جیت لی، میں تیز بھاگا، میں پکڑا نہیں گیا، جب وہ ختم ہوتی ہے تو وہ کچھ بھی نہیں۔ تو پھر بارِ الٰہا! زندگی کیا ہے؟ فرمایا: اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِىَ الْحَيَوَانُ (العنکبوت:64) یہاں بھی تاکید کی، یقیناً بہت پکی بات ہے آخرت جو ہے وہ زندگی ہے، یہ ایک امتحانی وقفہ ہے، ہر کوئی کرۂ امتحان میں ہے۔ یہ ختم ہوجائے گا، آخرت ختم نہیں ہوگی، اس کے بعد شروع ہوگی اور وہ کبھی ختم نہیں ہوگی۔ پھر قرآن مجید کا انداز بڑا عجیب ہوجاتا ہے۔ فرماتا ہے: لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ کاش! لوگوں کو اس حقیقت کی سمجھ آجائے۔ کاش! لوگ یہ بات سمجھ جائیں۔ یہ دنیا کی زندگی اور آخرت کی زندگی ہے کیا، ان میں فرق کیا ہے؟ جو آخرت کی زندگی جیتا ہے وہ بھی کھانا کھاتا ہے، کپڑے پہنتا ہے، بال بچے ہوتے ہیں، رشتہ دار، دوست دشمن اسی طرح ہوتے ہیں جیسے دنیا کی زندگی جینے والوں کے ہوتے ہیں، اسی طرح کے کام ہیں لیکن مقصد الگ الگ ہوتا ہے۔

جو آخرت کی زندگی جیتے ہیں وہ دنیا کے کام اس انداز سے کرتے ہیں کہ کام دنیا کا ہو تعمیر آخرت کی ہو، تو اللہ کریم فرماتے ہیں یہ دنیا کی زندگی نہیں جی رہے یہ آخرت کی جی رہے ہیں۔ یہ کاروبار کرتے ہیں، ملازمتیں کرتے ہیں، مزدوریاں کرتے ہیں، تجارتیں کرتے ہیں، روزی کماتے ہیں، گھر بناتے ہیں، ان کے بھی والدین رشتہ دار، عزیز ہوتے ہیں، اولادیں پالتے ہیں لیکن زندگی کا ہر کام ان سے پوچھتے ہیں جو آخرت سے واقف ہیں، جو آخرت کی خبر دینے والے اصدق الصادقین، حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اللہ کی کتاب ہے۔ اللہ کی کتاب بھی تو حضور ﷺ کے طفیل نصیب ہوئی ہے اس کی تشریحات، وتفسیرات بھی تو حضور اکرم ﷺ کے طفیل نصیب ہوئیں۔ اللہ کریم نے سارا کچھ قرآن حکیم میں بتادیا، سارا حق ہے لیکن آپ ﷺ تو وہ ہستی ہیں جسے سارا کچھ دنیا میں دِکھا بھی دیا گیا۔ وجودِ اقدس سمیت بالائے عرش بھی تشریف لے گئے۔ دوزخ کا ملاحظہ بھی فرمایا، جنت کا معائنہ بھی فرمایا اور پھر سب کو بتایا بھی۔ اللہ نے اُن کی تعلیمات کو قیامت تک باقی رکھنے کا اہتمام بھی فرمایا۔

تو فرمایا: کام تو یہی کرنا ہے، یہی دال روٹی کھانی ہے، یہی رزق کمانا ہے، یہیں جینا مرنا ہے، یہی رشتہ داریاں، دوستیاں لوگوں

ہے، قوم سے، ملک سے، دنیا سے تعلقات ہوتے ہیں لیکن جب مقصد آخرت ہوتا ہے تو ہر کام اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھ کر کیا جاتا ہے، اس کے مطابق کیا جاتا ہے۔ فرمایا، یہ تو زندگی ہے اور محض دولت کمانا، بڑے عہدے پالینا، محل بنالینا، دولت جمع کر لینا، فرمایا، یہ تو کھیل تماشا ہے، کھیل جب تک چلتا رہتا ہے شاباش شاباش ہوتی رہتی ہے، ختم ہوجاتا ہے، بھول بھال جاتا ہے۔ زندگی ایک ہی ہے، ماحول ایک ہے، فضا ایک ہے، سورج چاند ستارے ایک ہیں، بارش، برسات، بادل، خشکی، تری سب ایک ہے، کھانا پینا، اوڑھنا بچھونا، لباس سب ایک ہے۔ ایک ہے اپنی پسند سے جینا، وہ کھیل تماشا ہے، ایک ہے اپنی پسند کو اللہ کی پسند کے، اللہ کے حکم کے تابع کردینا، اللہ کے نبی ﷺ کے پسند کے تابع کردینا، یہ جینا آخرت کی زندگی ہے۔ ایسا کرنے والے یہاں بھی جیتے ہیں، قبر میں بھی جیتے ہیں، حشر میں بھی جیتے ہیں، وہ آزاد رہتے ہیں۔

فرمایا، زندگی کی حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں بندہ آخرت کی زندگی جیتا ہے۔ اب اس کے بھی دو درجے ہیں۔ آخرت کا بہت اعلیٰ، بہت اچھا، بہت ہی خوبصورت تصور ہے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ بندہ انہی موسموں میں، اسی گرمی سردی میں، اسی دوستی دشمنی میں بسا ہو لیکن وہ زندگی اس دنیا میں رہ کر جنت میں بسر کررہا ہو، اُسے کوئی غم نہ ستائے۔ اسے کوئی دکھ نہ ہو، ہر لمحہ اس کا حیات آفرین ہو، کتنی عجیب بات ہے۔ پتا ہے جو دنیا کی زندگی جیتے ہیں وہ کہتے ہیں ایسا ہو ہی نہیں سکتا ہے لیکن ایسا ہی ہوتا ہے۔ جو آخرت کی زندگی جیتے ہیں انہیں دنیا کی تکلیف بھی آئے تو بیقراری نہیں ہوتی ہے۔ انہیں پتا ہوتا ہے کہ یہاں پھنسی تھی تو یہ جراح نے چیر دی، اس پہ مرہم رکھ دی یہ ٹھیک ہوجائے گی۔ کوئی خطا ہوگئی ہوگی مالک نے وہ معاف کردی۔ یہ تھوڑی سی سزا دے کر، کوئی درجہ ایسا تھا جس کے لیے یہ آزمائش شرط تھی تو ان کے دل کو سکون رہتا ہے، خوشی رہتی ہے۔ انہیں رنج نہیں ہوتا، دکھ نہیں ہوتا، پریشان نہیں ہوتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو زندگی کی حقیقت کو سمجھ جاتے ہیں، اسے قرآن ایک انداز سے حسرت سے فرماتا ہے۔ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ کاش! کیا ہی اچھا ہوتا لوگ یہ حقیقت مان لیتے، سمجھ جاتے، ان کے ذہن میں آجاتی، ان کے دل میں بیٹھ جاتی۔

دراصل حقیقی انسانی زندگی اس سے بھی بالاتر ہے۔ آخرت کی کامیابی کو پالینا، آخرت کی غرض سے اللہ کے عذاب سے بچنے اور اللہ کے انعام لینے کے لیے محنت کرنا بھی بہت اچھی بات ہے۔ جنت کی تعریف کرتے ہوئے آخر میں قرآن کریم فرماتا ہے: وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ (المطففین: 26) اگر انسان کو لالچ ہی کرنا ہے تو پھر آخرت اور جنت کا کرے۔ دنیا کے لالچ کا کیا فائدہ؟ اگر لالچ کے بغیر انسان کچھ نہیں کرسکتا تو پھر لالچ تو جنت کا کرے، لیکن کچھ لوگوں کو اللہ اس سے بھی بلند حوصلے دے دیتا ہے۔ سلطان محمود غزنویؒ سے کسی امیر نے پوچھا کہ حضور ہمارے باپ آپ کے والد گرامی کے خدمت گزار تھے۔ انہوں نے جنگیں لڑیں، جانیں دیں، بیٹے قربان کیے۔ پھر ہم ہوئے، ہم آپ کے خادم ہیں۔ آپ کی نسلوں کی ہماری نسلیں خدمت کرتی آرہی ہیں ہم ہمہ وقت شمشیر بکف ہیں، آپ کے اشارے پر جانیں لڑادیتے ہیں۔ ملکوں کے ملک آپ کے ساتھ پھرے اور جہاد کیا۔ لیکن عجیب بات ہے کہ آپ جنگل میں سے ایک لڑکا پکڑ کر لے آئے اور اس کی بات ہم سے زیادہ اثر رکھتی ہے بلکہ ہمیں ضرورت پڑتی ہے کہ ایاز سے عرض کریں، پھر جب وہ شہنشاہ سے کہیں گے تو وہ ہوجائے گا، تو یہ عجیب بات نہیں ہے؟ اس کی سمجھ نہیں آئی کہ ایک نوعمر نوجوان لڑکا آپ جنگل، صحرا سے پکڑ کر لے آئے، چرواہا تھا تو اس کا اثر زیادہ ہے جبکہ ہم آپ کے خاندانی خدمت گزار ہیں، دنیا کے مانے ہوئے سپہ سالار ہیں، جرنیل ہیں، ہماری بات پر اُس کی بات کو فوقیت حاصل ہے۔ بادشاہ خاموش رہا۔ اس نے اہتمام کیا، تمام جرنیلوں کو، امرائے سلطنت کو بلایا۔ بہت بڑے ہال میں بہت سی چیزیں سجا دیں، کہیں بہترین اسلحہ، کہیں

زمینوں کی الاٹمنٹ، کہیں دولت پیسے، کہیں عہدہ اور بے شمار چیزیں، پھر اُن کے نام لکھ کر لگا دیں۔ تمام سرداروں سے کہا کہ اللہ نے ہمیں بہت فتوحات دی ہیں، بہت نوازا ہے، تم لوگوں نے بڑی جانیں دی ہیں، بہت محنت کی، مشقت کی ہے، سفر کیے ہیں، مقابلے کیے ہیں تو جس کو جو چیز پسند ہو اس پر ہاتھ رکھو، وہ تمہیں عطا کر دی جائے گی۔ اب جو جو کسی کا مزاج تھا، کسی نے دولت، کسی نے زمینوں پر، کسی نے اسلحے پر، کسی نے گھوڑوں پر، ہر ایک نے اپنی اپنی پسند بتائی، ایاز بھی موجود تھا اور اُس نے سلطان کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ سلطان نے اس سردار کو بتایا کہ تم لوگوں میں اور اس میں یہ فرق ہے۔ اب جس نے سلطان کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا، تو جس کا سلطان ہے اس کا تو وہ سب کچھ از خود ہو گیا۔ اسی طرح کچھ مبارک روحیں ہوتی ہیں، جو کہتی ہیں اللہ کی جنت بھی بے مثال ہے، اللہ کا بہت بڑا انعام ہے، بے شمار تعریف کی گئی جنت کی، قرآنِ کریم میں بھی احادیثِ مبارکہ میں بھی، اس کی نعمتیں لازوال ہیں، اس کی لذتیں ہمیشگی لیے ہوئے ہیں لیکن انہیں اللہ نے یہ شعور دیا، توفیق دی کہ انہوں نے سلطان کے کندھے پر ہاتھ رکھا، وہ اللہ کے طالب ہو گئے۔ جنت کی طلب میں بھی اللہ کی نافرمانی سے بچنا، بہت اچھی بات ہے چونکہ جنت اللہ کی رضا مندی کی سند ہے۔ اس کی رضا کا مظہر ہے۔ اُسے جنت ملے گی جس سے اللہ راضی ہوں گے اور بہت اچھی بات ہے لیکن اس سے بھی بلند ہو کر ذاتِ باری کی طلب پالینا، تو فرمایا: میرے ایسے بندے بھی ہیں جو مجھے چاہتے ہیں وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا ... (العنکبوت:69) میری ذات کو پانے کے لیے، بندہ اللہ کو کیا پائے گا؟ اس کا کیا طریقہ ہوگا؟ اللہ کو پانے سے مراد ہے اللہ جل شانہٗ کا قرب پانا، تو قربِ الٰہی کیسے نصیب ہوگا؟ فرمایا: یہ میرا کام ہے، جو یہ دعویٰ کرتے ہیں یا یہ ارادہ رکھتے ہیں وہ نرا دعویٰ نہیں کرتے وہ میری طلب میں جان لڑا دیتے ہیں، جہاد کرتے ہیں۔ جہاد کیا ہے؟ جہاد کہتے ہیں کسی اچھے کام کے لیے انتہائی محنت کرنا۔ پھر جہاد کی قسمیں ہیں، کوئی پڑھا رہا ہے وہ اگر اللہ کی رضا کے لیے پڑھا رہا ہے تو جہاد کر رہا ہے۔ کوئی تبلیغ کر رہا ہے، اگر اللہ کی رضا کے لیے کر رہا ہے تو جہاد کر رہا ہے۔ جو بھی نیک کام اللہ کے حکم کے مطابق، نبی کریم ﷺ کی سنت کے مطابق، اللہ کی رضا کے لیے کر رہا ہے وہ جہاد کر رہا ہے۔ جہاں دفاع کی ضرورت آتی ہے قوم، ملک، دین کے دفاع کے لیے کوئی تلوار سے، بندوق سے، توپ سے لڑتا ہے وہ بھی جہاد ہے تو وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا یعنی جو مجھے پانے کے لیے جہاد کرتے ہیں۔ یہاں جہاد سے کیا مراد ہے؟ اپنی انتہائی ان تھک محنت، سرتوڑ کوشش، اپنا سارا زور لگا دیتے ہیں لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا... میں اپنی طرف آنے والے بے شمار راستے، دروازے ان کے لیے کھول دیتا ہوں۔ بات صرف شعور، اعتماد اور یقین کی ہے۔ طلب اور جستجو کی ہے۔

جس کسی کی منزل آخرت ہے، یہی دنیا کے کام دین کے مطابق کرنے سے اُسے آخرت مل جاتی ہے۔ پیاس لگی ہے پانی پینا ہے، اب وہ جائز طریقے سے صاف، پاکیزہ پانی حاصل کر کے پیتا ہے اور اللہ کا شکر ادا کرتا ہے تو پانی پینے سے بھی آخرت بنتی ہے۔ حلال حرام، پاک پلید، نجس، ناپاک کی پرواہ نہ کرنا، صرف پیاس بجھانے کے لیے پی لینا، اللہ کا نام لینا نہ اللہ کو یاد کرنا، نہ اللہ کا شکر ادا کرنا تو دنیا کا کام تو ہو گیا لیکن آخرت تو نہ بنی۔ روزی کماتا ہے، مزدوری کرتا ہے، ملازمت کرتا ہے تو اس میں حلال حرام، پاک ناپاک کی پروا نہ کرنا، محض پیسے جمع کیے جانا، یہ دنیا ہے۔ وہی کام آقائے نامدار ﷺ کی اتباع میں کرنا، یہ آخرت ہے۔ کام وہی ہے، جوتا پہننے تک، لباس پہننے تک، کھانے پینے تک سارے کام سنت کے تابع کرنا، یہ آخرت ہے۔ اپنی پسند سے کرنا یہ دنیا ہے، تو زندگی کے کتنے امور ہیں جو سارے آخرت کے راستے بن گئے۔ اس سے بھی بلند ہو جانا اور اللہ کی ذات کا طالب ہو جانا کیونکہ پوری مخلوق میں صرف انسان ایک مخلوق ہے جسے اللہ نے یہ جرأت دی ہے کہ وہ

معرفتِ حق کو پا سکے۔ فرشتہ اعلیٰ ترین مخلوق ہے لیکن وہ بھی اطاعتِ حق کا پابند ہے، حاکم کے حکم کا پابند ہے۔ حاکم کون ہے؟ کہاں ہے؟ کیسا ہے؟ یہ سوچنا اس کی جرأت نہیں ہے، وہ اطاعت کرتا ہے، وہ اطاعت کے سوا کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ صرف انسان کو معرفتِ حق کی استعداد دی۔ وہ آنکھ دی جو جمالِ باری کی طرف اُٹھتی ہے۔ انسان کو وہ دل دیا جو کائنات کی بے شمار چیزوں کو، ان کے حسن کو، ان کی خوبیوں کو سمجھتا ہے، پرکھتا ہے پھر کہتا ہے نہیں، سب نیچے ہی ہیں، مخلوق ہی ہیں، میں خالق سے دل لگاؤں گا۔ خوبصورت ہیں یہ چیزیں، بے مثال ہے سورج، کوئی دوسرا سورج نہیں ہے اور بہت خوبصورت ہے چاند، کوئی دوسرا چاند نہیں ہے لیکن جس نے سورج چاند کو پیدا فرمایا وہ کیسا ہوگا؟ میں اس کے پاس جاؤں گا۔

تو فرمایا: جو میرے لیے، میری ذات کے لیے، میرے قرب کو پانے کے لیے محنت کرتے ہیں لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا سارے راستے، سارے دروازے جو جنت کے لیے کھولے تھے اس سے زیادہ اپنی بارگاہ کی طرف اس کے لیے دروازے کھول دیتا ہوں۔ اور فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ یقینی بات ہے، یقیناً ذاتِ باری تعالیٰ تو ہے ہی ان مخلصین کے ساتھ جو اس کی طلب میں جان توڑ محنت کرتے ہیں۔ انسانی زندگی اور انسان ہونے کا جو شرف اور عظمت ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہر انسان ذاتِ باری کا طالب ہو لیکن اگر بہت کم حوصلہ بھی ہو تو کم از کم جنت کا طالب ضرور ہو، اور اس سے بھی گیا تو پھر انسانیت سے گیا۔ اس سے نیچے پھر انسانیت کا کوئی درجہ نہیں ہے۔

اتنی جرأت کہاں سے آئے کہ وہ ذاتِ باری کا طالب بن جائے؟ اس جرأت کے لیے اسے قلب میں ذاتِ باری کو بسانا پڑتا ہے یہ خود بخود نہیں بستا۔ کاشتکار کی محنت بھی ہوتی ہے، بیج بھی ڈالتا ہے، کھیتی میں ہل بھی کئی بار چلاتا ہے لیکن قدرت بارش نہ دے تو محض اس کے دانے دبانے سے فصل نہیں ہو جاتی۔ سارے اندازے بھی کر لے، فیصلہ بھی کر لے کہ مجھے اللہ کا قرب پانا ہے تو پھر رحمت کی بارش چاہیے، برکاتِ نبوت ﷺ چاہیے، تعلیماتِ نبوت ﷺ کانوں سے دلوں تک، سینوں تک پہنچتی ہیں۔ برکاتِ نبوت ﷺ دلوں سے دلوں تک پہنچتی ہیں۔ تعلیماتِ نبوت سے دنیا میں سارے مسلمان، مسلمان ہوئے۔ حلال حرام، جائز ناجائز، غلط صحیح زندگی کا سلیقہ، جینے مرنے کی روایات سب تعلیماتِ نبوت ﷺ ہیں۔ خود قرآنِ کریم اللہ کا ذاتی کلام ہے لیکن ہمارے پاس تعلیماتِ نبوت ﷺ میں سے ہے۔ ہمیں نبی کریم ﷺ نے تعلیم فرمایا ہے۔ فرمایا: یہ اللہ کا کلام ہے، یہ وحی الٰہی ہے۔ قرآنِ کریم کی تفسیر وہی تفسیر ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہے۔ جتنی یہ زبانی نعمتیں بارگاہِ رسالت سے عطا ہوئی ہیں، یہ زبانوں سے آگے پہنچیں۔ اسے علمِ ظاہر کہتے ہیں اور یہ علوم قیامت تک چلتے رہیں گے جب تک اللہ کو منظور ہے۔ انہیں مان کر، ان پر عمل کر کے ہر بندہ مسلمان بھی ہو سکتا ہے اور جنت بھی پا سکتا ہے۔ اب اس سے آگے حوصلہ ہے تو اس کے لیے برکاتِ محمد رسول اللہ ﷺ چاہئیں۔ طلبِ الٰہی اور جمالِ باری کی طلب تب پیدا ہوگی، جب قلبِ اطہر محمد رسول اللہ ﷺ کی برکات سے قلوب زندہ ہوں گے۔

جو حضور ﷺ کی دنیوی زندگی میں آپ ﷺ کے سامنے آئے وہ صحابیؓ ہو گئے۔ اُسی عہد میں اللہ کے بڑے نیک بندے ایسے بھی رہے جو مسلمان بھی ہوئے، حضور ﷺ کے جاں نثار بھی تھے، عاشقِ رسول ﷺ بھی تھے لیکن بارگاہِ رسالت ﷺ میں دنیوی حیات میں حاضر نہ ہو سکے تو وہ صحابیؓ نہیں بن سکے۔ اس حوالے سے بڑا معروف نام ہے حضرت اویس قرنیؒ کا اور یہ بھی احادیث مبارکہ میں ملتا ہے کہ آپ ﷺ نے سیدنا فاروق اعظمؓ کو فرمایا تھا کہ اویسؒ سے ملاقات ہو تو میرا اسلام پہنچایئے گا۔ اب اس سے بڑا مرتبہ دنیا میں کیا ہوگا؟ اس سب کے باوجود حضرت اویسؒ صحابی نہیں ہیں، تابعی ہیں۔ اس لیے کہ ان کی ملاقات بالمشافہ حضور ﷺ سے نہیں ہوئی تو تعلیمات

تو اُن تک پہنچی تھیں۔ ایمان بھی انہیں اللہ نے کامل عطا فرمایا تھا، عشقِ رسالت ﷺ بھی نصیب فرمایا تھا اور اس کی رسید بھی انہیں مل گئی کہ انہیں اتنی عظمت دی۔ حضرت اویسؒ پھر حضور ﷺ کے وصال کے بعد خلافتِ فاروقی میں مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے۔ پھر کوفہ میں جا کر مستقل رہائش پذیر ہو گئے اور کوفہ میں ہی وصال ہوا، اب تو پتا نہیں لوگوں نے یمن میں مقبرہ بنا رکھا ہے۔ اب تو لوگوں کے بھی تماشے ہیں ایک ایک ہستی کے دس دس مقبرے بنا رکھے ہیں، جہاں دل چاہتا ہے۔ تاریخی اعتبار سے ان کا وصال کوفہ میں ہوا۔ تو مدینہ منورہ تو آئے، لیکن جو دل حضور ﷺ کی نگاہ کے سامنے آنا تھا وہ حضور ﷺ کے سامنے نہیں آیا، البتہ حضور ﷺ کو جنہوں نے دیکھا تھا اُنؓ کے سامنے آئے تو تابعی ہو گئے۔ یہ صحابیؓ، تابعیؒ، تبع تابعینؒ یہ کیا ہے؟ یہ دل کی کیفیات ہیں۔ ایسا نہیں کہ کوئی صحابیؓ بنے تو قد بڑھ، گھٹ جاتا ہے، رنگت بڑھ، گھٹ جاتی ہے۔ نہیں! یہ دل کی کیفیات ہیں اور یہ ہیں برکاتِ محمد رسول اللہ ﷺ۔ جس طرح تعلیمات چل رہی ہیں اس سے زیادہ پختگی کے ساتھ یہ برکات چل رہی ہیں۔

یہ بڑی عجیب بات ہے کہ ایسے بدنصیب لوگ بھی ہیں جو تعلیماتِ نبوت کو بیچتے ہیں۔ دین کو دنیا کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ برکات بیچی نہیں جاتیں، نہ کوئی صاحب برکات بیچنے کا سوچ سکتا ہے۔ اِس طرف کھوٹے کھرے مل جاتے ہیں۔ اُدھر کھوٹا کوئی رہ نہیں سکتا، اُدھر کھروں کا بازار ہے، اس بازار میں کھوٹوں کو رد کر دیا جاتا ہے۔ کوئی آ بھی جائے، مہینوں، برسوں بھی رہے بالآخر رد ہو جاتا ہے۔ اللہ کا نظام ایسا ہے کہ اللہ پیدا کرنے سے پہلے جانتا تھا کہ جس جن کو ابلیس کے نام سے پیدا کروں گا وہ کیسا ہوگا، کتنا زاہد و عابد ہوگا، کتنی ترقی کرے گا، بالآخر انسان کی دشمنی میں مارا جائے گا، قیامت تک لوگوں کو گمراہ کرے گا۔ یہ سب اللہ جانتے ہیں لیکن اس پر زبردستی نہیں کی، وہ عبادت کرتا رہا اللہ اُسے درجات بھی دیتا رہا۔ زمینوں سے اُٹھا کر اسے فرشتوں میں رکھا۔ جب جرم کیا تو سزا وارد ہوئی۔ تو اس طرح کے بھولے بھٹکے اگر برکات کی طرف آ بھی جائیں تو چونکہ اندر کھوٹ ہوتا ہے اور وہ ان سے دنیا کمانا چاہتے ہیں تو اس وقت رد کر دیے جاتے ہیں، خواہ آسمانوں میں بستے ہوں پھر پستیوں میں گرتے ہیں۔

تو فرمایا: وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا جو لوگ صرف میرے لیے، میری رضا کے لیے، میرے قرب کے لیے اپنی جان لڑا دیتے ہیں۔ جَاهَدُوْا فِيْنَا کا ترجمہ اگر ہم یہ کریں کہ اپنی جان لڑا دیتے ہیں تو بڑا مزیدار ہو جائے گا۔ اُن کے لیے بھی ہم بے شمار دروازے کھول دیتے ہیں۔ کیا بات ہے کہ پانی کا گھونٹ پئیں تو بھی قربِ الٰہی کا سبب بنتا ہے۔ جاگ کر، بیٹھ کر اللہ اللہ کریں تو قربِ الٰہی کا سبب بنے اور اللہ کو یاد کرتے سو جائیں تو نیند بھی قرب کا سبب بنے، کیا عجیب بات نہیں ہے؟ اُٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، برتنا دینا لینا، ملنا جلنا، کمانا کھانا سب اللہ کے قرب کا سبب بنتا جائے۔ فرمایا: یہی ہماری عطا ہے جس کی کوئی حد نہیں۔ ہاں! بندے کے اندازِ فکر پر ہے، صرف دنیا کے لیے ہے تو ہم اسے دنیا دیتے رہتے ہیں لیکن یہ بتا دیں کہ دنیا کھیل تماشہ ہے، کھیل ختم ہو جائے گا تم خالی ہاتھ رہ جاؤ گے۔ آخرت کے لیے کر رہے ہو تو آخرت عطا کر دیں گے، وہ تو میرا انعام ہے۔ موج کرو، ہمیشہ دائمی زندگی ہے، ہمیشہ میری بارگاہ میں رہو، اس سے بھی آگے چلے گئے، صرف میرے لیے کر رہے ہو تو میں انہی چیزوں پر اپنا قرب عطا کرتا جاؤں گا۔

میرے بھائیو! بات ہماری ترجیحات کی ہے کہ ہم ترجیح کس چیز کو دیتے ہیں؟ میں رات بھی آپ کو ذکر کر رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ کیا زمانہ تھا، کیا وقت تھا کہ کیا لوگ تھے، کیا طلب تھی۔ جب یہ جماعت نہیں بنی تھی تو ہم چار پانچ لوگ ہوتے تھے، ہم چار پانچ لوگ لطائف کر رہے ہوتے تھے تو زمین ہلتی تھی۔ ایک بوڑھا سا بابا ہوتا تھا، دوست محمد! اللہ پاک اس کے درجات بلند فرمائے، بالکل ان پڑھ بابا تھا، ساری عمر اونٹ چرائے، بوڑھا ضعیف تھا، تکڑا تھا مشقت کرنے

والا زمیندار۔ تو وہ جب لطائف کرتا تھا تو یوں پتا چلتا تھا کہ ڈھول بج رہا ہے۔ ڈھم ڈھم ڈھم آواز آتی تھی۔ تو ایک دن ایک نیا ساتھی وہاں آ گیا، حضرت جیؒ کی مسجد میں شام کا ذکر حضرتؒ کے ساتھ کیا، عشا پڑھ کر حضرتؒ اندر تشریف لے گئے تو مجھ سے وہ ساتھی کہنے لگا یار! یہ کیسے عجیب لوگ ہیں؟ میں نے کہا کیوں؟ جتنی دیر ہم لطائف کرتے رہے پڑوس میں ڈھول بجتا رہا اور جب لطائف ختم ہوئے تو بند ہوا۔ یہ کیسے عجیب لوگ ہیں اس گاؤں کے؟ میں نے کہا پڑوس میں نہیں بجتا رہا، یہ باباجی کے سینے میں بج رہا ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ اب چار پانچ سو ساتھی مسجد میں بیٹھے ہوتے ہیں جنہیں میں لطائف کرا رہا ہوتا ہوں، پتا نہیں چلتا کہ کوئی بندہ ہے کہ نہیں۔ کہاں چار پانچ ہوتے تھے تو پتا چلتا تھا کہ مسجد ہل رہی ہے، کہاں چار پانچ سو ہوتے ہیں۔ کوئی یہ تو نہیں کہ آپ کمزور ہیں، بات ترجیحات کی ہے۔ وہ جو چار پانچ ہوتے تھے ناں وہ پاگل ہوتے تھے، دیوانے ہوتے تھے۔ ہم پر اللہ کا یہ احسان ہے کہ اس نے یہ توفیق دی کہ شامل ہو گئے، کر رہے ہیں الحمدللہ، لیکن وہ جنون نہیں رہا۔

اصل طلب میں وہ جنون درکار ہے۔ زندگی کے لمحات کو بہت قیمتی تصور کیجیے، یہ جواہرات ہیں۔ یہ ہیرے ہیں جو ایک ایک سانس، کائنات کی ساری دولت دے کر خریدا نہیں جا سکتا، تو میرے بھائی اسے استعمال کرو۔ اپنی ترجیح کو اللہ کے قرب تک لے جاؤ کہ اللہ مجھے تو چاہیے۔ اب اس کے لیے سود و زیاں سے تو بالا ہونا پڑتا ہے۔ غمِ جاں اور غمِ جاناں، دونوں سے گزرنا ہوتا ہے۔ جو ہو جائے ہوتا رہے۔ تو اگر وہ دیوانگی نہیں کم از کم بندہ اتنا تو رہے کہ دنیا میں رہ کر جنت میں جیئے۔ بڑے مزے کی زندگی ہے نہ آج کا غم، نہ کل کی فکر، بہت پرسکون، بہت مزے کی زندگی ہے، سو جاؤ تو نیند مزے کی آتی ہے، جاگتے رہو تو وقت بڑے مزے سے گزرتا ہے۔ کم از کم اسلام یہ ہے کہ بندہ اس دنیا کا کام کرتا ہو، بستا جنت میں ہو۔ اس انداز سے کام کرتا ہو جیسے جنت میں کر رہا ہو۔ اللہ اسے وہ کیفیت دے۔

قرآنِ کریم بڑی وضاحت سے، بڑے پیار سے، بڑی شفقت سے سمجھاتا ہے اور فیصلے کی قوت اللہ نے ہر انسان کو دی ہے۔ اپنے لیے اس کے اپنے فیصلے نافذ العمل ہیں۔ ہم زندگی میں ترجیحات طے کرتے ہیں، ان کے مطابق عمل کرتے ہیں، قیامت کو حساب یہی ہوگا کہ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ (بنی اسرائیل:14) اپنا اعمال نامہ پڑھ لے۔ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا (بنی اسرائیل:14) آج کے دن تو اپنا جج خود ہی ہے، جو تو نے اس زندگی میں فیصلے کیے تھے آج اس کے مطابق عمل ہو جائے گا۔ دل سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ سب کو وہ جذبہ، وہ کیفیت، وہ جنوں عطا کرے اور قبول فرمائے۔ آمین!

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن۔

دعائے مغفرت

1- کوئٹہ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی عبدالباری کے والد محترم۔
2- عبدالحکیم، خانیوال سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد مختار صاحب۔
3- مظفر گڑھ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی سید اعجاز احمد شاہ صاحب۔
4- مناواں، لاہور سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی غلام نبی کی والدہ محترمہ۔
5- راولپنڈی سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی حاجی محمد بنارس صاحب۔
6- راولپنڈی سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی عبدالمجید صاحب۔
7- خوشاب سے سلسلہ عالیہ کی ساتھی، کرنل محمد مالک کی ہمشیرہ صاحبہ۔
8- اٹک سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی سید الطاف شاہ صاحب۔
9- ٹوبہ ٹیک سنگھ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد رفیق صاحب۔
10- کلرسیداں، راولپنڈی سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمود حسین صاحب۔
11- چکوال سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی ملک ذوالفقار علی اعوان کی والدہ محترمہ۔

وفات پا گئے ہیں۔ ان کے لیے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

تصحیح: اپریل کے شمارہ میں ڈھولنوال لاہور سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد شریف کی والدہ کی فوتگی کا لکھا گیا تھا جبکہ اُن کی اہلیہ محترمہ فوت ہوئی تھیں۔ ادارہ اس کے لیے معذرت خواہ ہے۔

سورۃ الحج

مسائل السلوک من کلام ملک الملوک پر

الشیخ حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی کا بیان

انتفاع بالمباحات کا راز:

قولہ تعالیٰ: فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ (الحج:36)

ترجمہ: تو تم خود بھی کھاؤ اور بے سوال اور سوالی کو بھی کھانے کو دو۔

''امر فَكُلُوْا کو اباحت کے لئے اور امر وَاَطْعِمُوْا کو ندب کے لئے کہا گیا ہے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کا قربانی کے گوشت سے کھانے کا اہتمام فرمانا ظاہراً اس کے مندوب ہونے کی دلیل ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ جو چیز حق تعالیٰ کی طرف سے منسوب ہے اس میں رغبت ظاہر کی جاوے تو اس بناء پر مباحات سے متنفع ہونا جبکہ اس میں ایسی ہی نیت ہو مطلوب ٹھہرا۔''

فرماتے ہیں جب قربانی کے بعد حکم ہوا کہ اس میں سے خود بھی کھاؤ اور لوگوں کو بھی کھلاؤ جو سوال نہیں کرتے اور ان لوگوں کو بھی دو جو سوال کرتے ہیں یعنی سب کو دو۔ تو فرماتے ہیں حضور اکرم ﷺ نے بھی قربانی کا گوشت اہتمام سے تناول فرمایا۔ قربانی کے جانور کا گوشت پکایا گیا اور آپ ﷺ نے تناول فرمایا۔ تو اس کے مندوب ہونے کی دلیل ہے کہ جو چیزیں حق تعالیٰ کی طرف منسوب ہے اس میں رغبت ظاہر کی جاوے یعنی جو چیزیں اللہ کی طرف منسوب ہوں ان میں رغبت ظاہر کی جائے، ان سے محبت کی جائے۔ چونکہ قربانی اللہ کے نام پر کی جاتی ہے تو کوئی یہ سمجھے کہ میں قربانی کا گوشت کس طرح کھاؤں کہ یہ صدقہ ہے، یہ ہے، وہ ہے، نہیں! وہ تو اب اللہ کی طرف منسوب ہو گئی، اللہ کی طرف سے عطا کیا جا رہا ہے۔ اس لحاظ سے اس کا کھانا اچھی بات ہے، اس میں رغبت ظاہر کی جائے اور اس بنا پر مباحات سے متنفع ہونا جبکہ اس میں ایسی ہی نیت ہو، مطلوب ٹھہرا۔ پاک چیزیں جو مباح ہوتی ہیں لیکن پسندیدہ نہیں ہوتیں، ان سے اجتناب کرنا بھی اس میں ثابت ہو گیا۔

اولیاء اللہ کے لئے بھی انتقام لیا جانا:

قولہ تعالیٰ: اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ (الحج:38)

ترجمہ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں سے ہٹا دے گا۔

''اس میں حق تعالیٰ کی عادت کا بیان ہے کہ وہ اپنے مقبولین کے لئے انتقام لیتے ہیں۔''

فرمایا اس آیہ کریمہ میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مقبولانِ بارگاہِ الٰہی سے اگر فائدہ نہ اٹھایا جائے تو کم از کم ان کے ساتھ زیادتی بھی نہ کی جائے، انہیں چھیڑا نہ جائے ورنہ اللہ کریم اپنے بندوں کا انتقام خود لیتے ہیں اور انسان تباہ ہو جاتا ہے۔ سب سے بڑی تباہی یہ ہوتی ہے کہ اگر اہل اللہ سے کوئی بندہ بغض ہی رکھتا ہے تو کم از کم جو اسے نقصان ہوتا ہے وہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی طرف سے جو فائدہ ہونا ہوتا ہے وہ محروم ہو جاتا ہے۔ جو اہل اللہ کے فیض سے محروم ہوتا ہے اس کا پھر عقیدے پہ قائم رہنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ اس میں سے وہ چیز چلی جاتی ہے جو

عظمتِ باری کو قبول کرتی ہے، یا جو عقیدہ عطا کرتی ہے وہ کیفیت چلی جاتی ہے۔ مولانا تھانویؒ نے ہی کہیں لکھا ہے کہ صوفیا کی اور اہل اللہ کی عظمت کا انکار کفر نہیں ہے لیکن ایسے لوگ مرتے عموماً کفر پر ہی ہیں چونکہ مفضی الی الکفر ہے۔ کفر کی طرف لے جاتا ہے۔

احکام تکوینیہ کی مطلوبیت:

قولہ تعالیٰ: وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ لَّھُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذْکَرُ فِیْھَا اسْمُ اللّٰہِ کَثِیْرًا۔ (الحج:40)

ترجمہ: اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالی لوگوں کا ایک دوسرے سے زور نہ گھٹاتا رہتا تو نصاریٰ کے خلوت خانے اور عبادت خانے اور یہود کے عبادت خانے اور وہ مسجدیں جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے سب منہدم ہوگئے ہوتے۔

''اگر آیت میں زمانہ ان کے غیر منسوخ ہونے کا ہو تب تو تشریعی حکمتوں پر دال ہے اور اگر ان کے منسوخ ہونے کے زمانہ کو بھی عام ہو (بجز مساجد کے) تو تکوینی حکمتوں پر دال ہے۔ پس احکام تکوینیہ بھی مثل تشریعیہ کے مطلوب ہوں گے۔ دوسری آیات میں بھی اس کی تصریح ہے۔ مثلاً یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا وَّیَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا''

دو طرح کی چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک تشریعی ہوتی ہے، ایک تکوینی ہوتی ہے۔ تشریعی کام وہ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی معرفت حکم دے دیا۔ جو بتادیا کہ یہ حلال ہے یہ کرنا ہے، یہ حرام ہے یہ نہیں کرنا۔ جو شریعت بتاتی ہے اسے تشریعی کہتے ہیں اور جو امور من جانب اللہ حکمتِ الٰہیہ کے تحت، بندے کے کرنے سے نہیں اللہ کی حکمت سے ہوجاتے ہیں، اسے تکوینی کہتے ہیں۔ تو فرمایا اس میں دونوں کی جو حیثیت ہے وہ ثابت کر دی کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں وہ کرتے ہیں، اس میں انسان کے لیے بھلائی اور بہتری ہوتی ہے۔ جو بھی اللہ کرتے ہیں انسان کی بھلائی اور بہتری کے لیے کرتے ہیں۔ جس طرح جنگیں ہوتی ہیں، لوگوں کا زور ٹوٹتا ہے بندے قتل ہوتے ہیں۔ تو فرمایا اگر یہ بھی نہ ہوتیں تو ایک ہی قسم کے طاقتور لوگ جو چاہتے اس دنیا پر مسلط کر دیتے۔ تو جو حق کے لیے مارا جاتا ہے وہ شہید ہوجاتا ہے، اس کا بھلا اس میں ہوتا ہے کہ وہ اپنی منزل پا جاتا ہے۔ جو باطل کے لیے مارا جاتا ہے وہ ایک حصہ دنیاوی سزا پا جاتا ہے، اگلی سزا آگے شروع ہو جائے گی۔ تو کار عبث، فضول کام کوئی بھی نہیں ہے، من جانب اللہ ایک حکمتِ الٰہی ہوتی ہے۔ کبھی تشریعی طور پر شریعت کے مطابق جہاد ہوتا ہے، اس میں مسلمان بھی شہید ہوتے ہیں، کافر بھی مارے جاتے ہیں۔ کبھی تکوینی طور پر ایسے حادثات ظہور پذیر ہوتے ہیں جن میں لاکھوں لوگ لقمہ اجل بن جاتے ہیں۔ تبدیلیاں آجاتی ہیں، زمین کی حالت بدل جاتی ہے۔ مکانوں کی جگہ راکھ کے ڈھیر ہوجاتے ہیں، پہاڑوں کی جگہ میدان بن جاتے ہیں۔ دریا پھٹ جاتے ہیں، سوکھ جاتے ہیں، تو یہ جو کچھ بھی ہوتا ہے جب تک دارِ دنیا قائم ہے نظامِ کائنات کو قائم رکھنے کا ایک حصہ ہے۔ جس طرح مالی باغ میں تراش خراش کرتا رہتا ہے۔ وہ واقف ہوتا ہے یہ ٹہنی غیر ضروری ہے اُسے کاٹ دیتا ہے، یہ ٹہنی پھل دے گی یہ ضروری ہے، اُس کی حفاظت کرتا ہے۔ اسی طرح قدرت بھی اپنی کائنات میں جو کانٹ چھانٹ کرتی ہے وہ بہ مبنی مصلحت ہوتی ہے۔

آثار تمکین:

قولہ تعالیٰ: اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ (الحج:41)

ترجمہ: یہ لوگ ایسے ہیں اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دے

دیں تو یہ لوگ نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور نیک کاموں کے کرنے کو کہیں اور برے کاموں سے منع کریں۔

''روح میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے اہل تمکین کے حال کی طرف۔ وہ ہادی ومہدی ہیں، ان کے یہاں شطحیات نہیں اور ان کے کلام سے کوئی گمراہ نہیں ہوتا۔''

اولیا اللہ میں دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک قسم کو کہتے ہیں اہلِ تمکین اور یہ بہت شاذ ہوتے ہیں، اس طرح کے بہت کم لوگ ہوتے ہیں۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے، لاکھوں میں کوئی ایک اللہ کا بندہ اس طرح کا ہوتا ہے۔ یہ ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ ان کے منازل منتہی بھی ہوں تو ان کا بود و باش، بولنا چالنا عام آدمی کی طرح کا ہوتا ہے۔ جو اُن کے حال سے واقف نہ ہو وہ انہیں صوفی بھی نہیں سمجھتا۔ بالکل عام حالت میں رہتے ہیں، کبھی مغلوب الحال نہیں ہوتے اور ان کے ہاں شطحیات نہیں ہوتیں۔

ایسے جملے جو شرعاً جائز نہ ہوں لیکن سکر اور سہو کی وجہ سے صوفی کے منہ سے نکل جاتے ہیں، انہیں شطحیات کہتے ہیں۔ ان پر گرفت نہیں فرمائی جاتی کہ وہ جان بوجھ کر ایسا نہیں کرتا۔ غیر اختیاری طور پر اس سے وہ کلمات نکل جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں اہلِ تمکین کے ہاں ایسی کوئی شطحیات نہیں ہوتیں، کوئی ایسا جملہ نہیں ہوتا جو غیر اختیاری طور پر نکل جائے اور وہ شرعاً جائز نہ ہو۔ اہلِ تمکین کا مطلب ہے مکمل کنٹرول رکھنے والا شخص، اپنے آپ پر مکمل قابو رکھنے والا شخص، تو ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔

فرمایا اُن کی نشانی یہ ہے کہ ان کے ہاں کوئی شطحیات نہیں ہوتیں اور ان کی باتوں سے کوئی گمراہ نہیں ہوتا۔ جہاں کچھ سکر تھوڑا بہت آ ہی جاتا ہے اور چونکہ سکر ہر صوفی پر کسی نہ کسی لمحے کچھ نہ کچھ ضرور آتا ہے۔ اہلِ تمکین جو ہوتے ہیں، وہ برداشت کر جاتے ہیں، وہ خاموش ہو جاتے ہیں، ایسے پتا چلتا ہے جیسے بندہ کہیں کھو گیا ہے لیکن کوئی جملہ ناروا منہ سے نہیں نکالتے۔ جو غیر اہلِ تمکین ہوتے ہیں ان کے منہ سے جملے نکل جاتے ہیں۔ رہی یہ بات کہ سکر کمزوری کی دلیل ہے، کمال نہیں ہے لیکن ہر صوفی پہ کسی نہ کسی لمحے آتا ہے۔ پوری صحابہ کرامؓ کی جماعت عالی میں ایک ابوبکر صدیقؓ ہی ہیں جن پر کبھی سکر نہیں آیا۔ ورنہ جب وصالِ نبوی ﷺ ہوا تو یہ اتنا بڑا حادثہ تھا کہ سیدنا فاروقِ اعظمؓ جیسے عظیم انسان پر بھی سکر غالب آ گیا۔ آپ نے تلوار نکال لی اور فرمایا جو کہے گا نبی علیہ السلام کا وصال ہو گیا ہے اس کی گردن اڑا دوں گا۔ ایک ابوبکر صدیقؓ تھے جنہوں نے پیشانی مبارک سے کپڑا ہٹا کر بوسہ دیا اور فرمایا، میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں، آپ زندگی میں بھی پاکیزہ تھے موت میں بھی پاکیزہ ہیں اور باہر مسجد میں تشریف لا کر آپؓ نے خطبہ دیا اور یہ آیات تلاوت کیں۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ... الی قولہ... وَسَيَجْزِي اللهُ الشّٰكِرِيْنَ (ال عمران:144)

جب یہ آیہ کریمہ تلاوت فرمائی تو حضرت فاروق اعظمؓ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے ایسے معلوم ہوا کہ یہ آیت ابھی ابھی نازل ہو رہی ہے۔ میرے تو ذہن سے ہی نکل گئی تھی۔ تو کچھ دیر کے لیے سکر فاروقِ اعظمؓ پر بھی آیا، پھر اور کون مائی کا لال ہے؟ یہ یادِ الٰہی میں محو ہونا اور مشاہدہِ حق کی طرف جانا بندے کو مدہوش کر دیتا ہے لیکن اس کے باوجود اللہ کے کچھ بندے ایسے ہوتے ہیں جنہیں سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی طرح تمکین، یعنی محکم رہنا، مستقیم رہنا نصیب ہوتا ہے اور ان پر یہ کیفیت

آئے بھی تو ان کے منہ سے کوئی غلط جملہ نہیں نکلتا، لوگ ان کی باتوں سے گمراہ نہیں ہوتے۔ اگر کسی کو نصیب ہو جائے تو وہ اللہ کی عطا ہے، گمراہی کا سبب نہیں بنتے۔

اثبات حواس قلوب:

قولہ تعالیٰ: فَاِنَّهَا لَا تَعۡمَى الۡاَبۡصَارُ وَلٰكِنۡ تَعۡمَى الۡقُلُوۡبُ الَّتِىۡ فِى الصُّدُوۡرِ (الحج:46)

ترجمہ: بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہو جایا کرتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہو جایا کرتے ہیں۔

''اس میں قلوب کے لئے ابصار و اسماع کا اثبات ہے۔''

فرماتے ہیں، اس میں قلوب کے لیے ابصار و اسماع کا اثبات ہے۔ اس آیت نے ثابت کر دیا کہ دل دیکھتا بھی ہے، دل سنتا بھی ہے لیکن اس کے دیکھنے اور سننے کے لیے دو شرطیں ہیں۔ جیسے ظاہر طور پر بھی دیکھنے اور سننے کے لیے شرط ہے۔ پہلی شرط تو یہ ہے کہ وہ زندہ ہو، مر ہی گیا تو کیا دیکھے گا؟ کیا سنے گا؟ میت پڑی ہے تو کیا دیکھے گی، کیا سنے گی؟ اور دل کا زندہ رہنا نورِ ایمان سے ہے۔ جس طرح بدن کی حیات روح سے ہے، دل کی حیات نورِ ایمان سے ہے۔ پہلے تو اس میں ایمان ہو، عقیدہ صحیح ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ سویا ہوا نہ ہو۔ بندہ ہے، سو گیا ہے یا بیہوش ہے پھر بھی نہ دیکھے گا نہ سنے گا۔ تو زندہ بھی ہو اور بقائمی ہوش و حواس بھی ہو، پھر جاگتا بھی ہو۔ فرمایا دل کے لیے دیکھنا اور سننا اس آیت سے ثابت ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، دل اندھے ہو جاتے ہیں۔ یہ جو کافر ہیں انہیں آنکھوں سے تو حضور ﷺ کا وجودِ عالی بھی نظر آ رہا ہے، اللہ کی عظمت کے دلائل بھی نظر آ رہے ہیں لیکن ان کا دل اندھا ہو گیا ہے اس لیے ان کا ہونا نہ ہونا اُن کے لیے برابر ہے۔ ارشاداتِ باری، ارشاداتِ نبوی کانوں سے تو سنتے ہیں لیکن دل کے جو کان ہیں وہ بہرے ہو گئے ہیں، لہٰذا ان کانوں سے سننا نہ سننا برابر ہے۔ تو ہدایت کا مدار دل کی بصارت اور دل کی سماعت پر ہے کہ دل سنے اور دل سمجھے، دل دیکھے اور دل جانے۔ اور اگر یہ بات ہے تو پھر اس زمانے میں کتنے لوگ ہدایت پر ہوں گے؟ کتنے دل زندہ ہیں اور کتنے دل زندگی کے بعد بیدار اور ہوشیار ہوتے ہیں؟

وساوس کے لئے کسی مستقل تدبیر کی حاجت نہ ہونا:

قولہ تعالیٰ: فَيَنۡسَخُ اللّٰهُ مَا يُلۡقِى الشَّيۡطٰنُ (الحج:52)

ترجمہ: پھر اللہ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو نیست و نابود کر دیتا ہے۔

''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کی عادت جاری ہے کہ وساوس شیطانی خود بخود مضمحل ہو جاتے ہیں، ان کے لئے مستقل تدبیر کی ضرورت نہیں اور یہی بعینہٖ قول ہے محققین اہل تربیت کا۔''

بہت خوبصورت بات ارشاد فرمائی گئی کہ شیطان وسوسہ ڈالنے سے باز نہیں آتا اور وساوسِ شیطانی آتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی سنت اور عادتِ مبارک یہ ہے کہ وہ خود بخود ان وسوسوں کو مٹاتے رہتے ہیں، زائل کرتے رہتے ہیں اگر بندہ متوجہ الی اللہ رہے۔ اگر اللہ کا نافرمان ہو تو پھر اللہ کریم ان وسوسوں کو کیوں مٹائیں گے؟ پھر انہی وساوس میں گرفتار ہو کر گمراہی میں آگے سے آگے چلتا رہتا ہے۔ تو اس کا یہی علاج ہے۔ بہت سے دوستوں کے مجھے بھی خطوط آتے ہیں کہ جی وساوس بہت آتے ہیں۔ تو میں ایک ہی علاج تجویز کیا کرتا ہوں، چونکہ وسوسے کا آنا غیر اختیاری ہے اس پر گرفت نہیں ہے لیکن اگر بندہ وسوسے پر سوچ بچار کرے تو یہ گناہ ہے کہ سوچنا اختیاری ہے۔ علاج یہ ہے کہ شیطانی وسوسہ آئے تو اس

کی پرواہ نہ کی جائے، وہ ختم ہو جاتا ہے۔ صرف یہی ایک علاج ہے اس کا کہ خود کو اللہ کے سپرد کر دیا جائے، اللہ اس کو بھگا دیتے ہیں، وہ تباہ ہو جاتا ہے۔

طرد کا عذاب حقیقی ہونا:

قولہ تعالیٰ: فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ (الحج: 57)

ترجمہ: توان کے لئے ذلت کا عذاب ہوگا۔

"اس میں اشارہ ہے کہ عذابِ حقیقی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مطرود و مہان ہو جانا ہے، گو ظاہر میں نعیم میں ہو اور یہی معانی ہیں عارف شیرازی کے اس قول کی

حدیث ہول قیامت کہ گفت واعظ شہر
کنایتے ست کہ از روزگار ہجراں گفت"

فرماتے ہیں، یہ بڑی عجیب بات ہے کہ اللہ کا جو عذاب ہے، عذاب تو ویسے ہی بندے کو رسوا و ذلیل کر دیتا ہے اس پر اللہ نے یہ بڑھا دیا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ان کے لیے ذلت کا عذاب ہے، تو فرمایا آخرت کی بات تو آخرت میں ہوگی، دنیا میں بھی یہ ہو سکتا ہے کہ بظاہر ایک آدمی کے پاس حکومت ہو، اقتدار ہو، ایک آدمی کے پاس دولت ہو، اولاد ہو، جائیداد ہو لیکن وہ چیزیں اسے ذلیل کرنے کا سبب بن جاتی ہیں۔ عذابِ الٰہی یہ ہوتا ہے کہ پورے ملک کا حکمران ہے اور ہر شہری اسے گالی دے رہا ہے تو کتنی ذلت کی بات ہے۔ اسی طرح ایک بہت بڑا جاگیردار ہے، امیر ہے، اولاد ہے لیکن وہ جو نوکر خادم اس کی خدمت میں کھڑے ہیں اس کو اچھا نہیں سمجھتے، وہ بھی اُس کی برائی کرتے ہیں اور عام آدمی بھی اُس کے لیے بددعا کرتا ہے۔ تو فرمایا اللہ ایسا کارساز ہے کہ بعض لوگوں کو تو فقیر کر کے، بیمار کر کے، محتاج کر کے ذلیل کر دیتا ہے اور بعض کو نعمتیں دے کر بھی ذلیل کر دیتا ہے۔ اس لیے اللہ کی نافرمانی سے ہر حال میں بچنا چاہیے کہ نافرمانی کر کے اگر دولت، نعمت، اختیار بھی مل جائے تو اس میں ذلت اور رسوائی ہوتی ہے۔

ترکِ جدال کی اصل:

قولہ تعالیٰ: وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (الحج: 68)

ترجمہ: اور اگر یہ لوگ آپ سے جھگڑا نکالتے رہیں تو آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب جانتا ہے۔

"صوفیاء کا جو طرز ہے کہ کسی معاند سے جدال نہیں کرتے، اس میں اس کی اصل ہے۔"

فرمایا صوفیاء کسی سے جھگڑا اور لڑائی مول نہیں لیتے کہ بات زبردستی منوائیں۔ اس کی اصل اسی آیت میں ہے کہ اللہ حضور ﷺ کو فرما رہے ہیں کہ کسی موضوع پر کافر خواہ مخواہ بات بڑھانے کے لیے آپ سے جرح کریں تو آپ فرما دیجیے کہ میں بحث میں نہیں پڑتا، ہر چیز کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں۔ صوفیوں کا طرزِ عمل یہی ہوتا ہے کہ وہ تبلیغ کرتے ہیں، بات کرتے ہیں، مشورہ دیتے ہیں، سمجھاتے ہیں لیکن کسی پر بات ٹھونسنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اس کی دلیل اس آیہ کریمہ میں ہے۔

ضرورت رشتہ

ایک نوجوان لڑکا، عمر ستائیس سال، تعلیم MSc ٹیلی کمیونیکیشن انجینئرنگ کے لیے رشتہ درکار ہے۔ لڑکی کی عمر 18 سے 24 سال کے درمیان ہونی چاہیے۔ سلسلہ عالیہ کے ساتھیوں کو ترجیح دی جائے گی۔ لڑکیوں کے والدین اس نمبر پر رابطہ کریں۔ 0315-7045571

اکرم التفاسیر

سورۃ السجدہ آیات 13 تا 22

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ
مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ
الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَیْنَا کُلَّ نَفْسٍ ھُدٰىھَا
اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو اس کی راہ عطا فرماتے
وَلٰکِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّیْ لَاَمْلَئَنَّ جَھَنَّمَ مِنَ
ولیکن ہماری یہ بات سچ ہوچکی ہے کہ ہم جہنم کو
الْجِنَّۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ (13) فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِیْتُمْ
جنوں اور انسانوں سب سے ضرور بھریں گے۔ سو اب (اس کا مزہ) چکھو جیسا کہ تم اپنے
لِقَآءَ یَوْمِکُمْ ھٰذَا ج اِنَّا نَسِیْنٰکُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ
اس دن کے آنے کو بھولے ہوئے تھے۔ بے شک ہم نے تم کو بھلا دیا (یعنی تمہاری کوئی پرواہ نہیں کی)
الْخُلْدِ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (14) اِنَّمَا یُؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا
اور اپنے اعمال کی وجہ سے ہمیشہ کے عذاب کا مزہ چکھو۔ پس ہماری آیتوں پر وہ لوگ ایمان
الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِّرُوْا بِھَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ
لاتے ہیں کہ جب ان کو ان سے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اپنے پروردگار کی تعریف
رَبِّھِمْ وَھُمْ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ (15) تَتَجَافٰی جُنُوْبُھُمْ
کے ساتھ پاکی بیان کرنے لگتے ہیں اور وہ غرور نہیں کرتے۔ ان کے پہلو بچھونوں سے
عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ز وَّمِمَّا
جدا رہتے ہیں کہ وہ اپنے پروردگار کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں اور جو ہم نے ان کو دیا ہے
رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ (16) فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ
اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ پس کوئی متنفس نہیں جانتا کہ ان کے لیے کیسی
اُخْفِیَ لَھُمْ مِّنْ قُرَّۃِ اَعْیُنٍ ج جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوْا
آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے ان کے اعمال کا صلہ ہے جو
یَعْمَلُوْنَ (17) اَفَمَنْ کَانَ مُؤْمِنًا کَمَنْ کَانَ فَاسِقًا ط
وہ کرتے تھے۔ بھلا جو ایمان والا ہے وہ اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جو نافرمان ہو؟
لَا یَسْتَوٗنَ (18) اَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
وہ (دونوں) برابر نہیں ہوسکتے۔ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے
فَلَھُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰی ز نُزُلًۢا بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (19)
سو ان کے لیے رہنے کی جگہ جنتیں ہیں جو ان کے اعمال کے بدلہ میں بطور مہمانی کے ہیں۔
وَاَمَّا الَّذِیْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىھُمُ النَّارُ ط کُلَّمَآ اَرَادُوْٓا
اور جنہوں نے نافرمانی کی تو ان کے لیے رہنے کی جگہ دوزخ ہے۔ جب چاہیں گے
اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْھَآ اُعِیْدُوْا فِیْھَا وَقِیْلَ لَھُمْ ذُوْقُوْا
کہ اس میں نکل جائیں تو اس میں لوٹا دیئے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ
عَذَابَ النَّارِ الَّذِیْ کُنْتُمْ بِهٖ تُکَذِّبُوْنَ (20)
جس دوزخ کے عذاب کو تم جھوٹ سمجھتے تھے اس کے مزے چکھو۔
وَلَنُذِیْقَنَّھُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰی دُوْنَ الْعَذَابِ
اور ہم ان کو قریب کا (یعنی دنیا کا) عذاب بھی اس بڑے عذاب سے پہلے
الْاَکْبَرِ لَعَلَّھُمْ یَرْجِعُوْنَ (21) وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُکِّرَ
چکھا دیں گے تاکہ یہ لوگ باز آجائیں۔ اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جس کو
بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْھَا ط اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِیْنَ مُنْتَقِمُوْنَ (22)
اس کے پروردگار کی آیات سے نصیحت کی جائے تو وہ ان سے منہ پھیر لے۔ بے شک ہم ایسے مجرموں سے بدلہ لیں گے۔

پچھلی آیہ کریمہ میں یہ فرمایا گیا جب قیامت قائم ہوگی

سارے حقائق سامنے آ جائیں گے میدانِ حشر ہوگا، دوزخ جنت موجود ہوگی، ہر کوئی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوگا۔ تو جن لوگوں نے دنیا میں اطاعت نہیں کی وہ بھی سر جھکائے ہوئے اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اور کہیں گے پروردگارِ عالم آج تو ہم نے دیکھ بھی لیا، سن بھی لیا ساری چیزیں سامنے آ گئیں، اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو آپ ہم پر مہربانی فرمائیں۔ فَارْجِعْنَا ہمیں دنیا میں ایک بار واپس بھیج دیں نَعْمَلْ صَالِحًا تاکہ ہم اچھے کام کر سکیں، آپ کی اطاعت کریں، عبادت کریں اِنَّا مُوْقِنُوْنَ اب ہمیں یقین ہو گیا ہے۔ ارشادِ باری ہوگا: وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا۔ اگر ہم چاہتے ہر فرد کو ہدایت دے دیتے، اگر ہم چاہتے دنیا میں انسان صرف مسلمان ہوتے، نہ صرف مسلمان ہوتے اللہ کے اطاعت گزار ہوتے۔ نافرمانی سے بچتے، اللہ کو یاد کرتے، اللہ کی عبادت کرتے لیکن ہم نے یہ فیصلہ انسان کی پسند پہ چھوڑ دیا۔ بہت بڑی نعمت عطا کی انسان کو بہت بڑی...... کہ اسے معرفتِ عظمتِ باری کی استعداد دے دی اور یہ عطا صرف انسانوں پر ہے۔ ساری مخلوق میں، صرف انسانوں کو یہ استعداد بخش دی گئی کہ ہر کوئی اپنی حیثیت کے مطابق عظمتِ الٰہی کو جان سکے۔ اب کوئی سرے سے اس استعداد کو استعمال ہی نہ کرے تو اُس نے کتنا بڑا جرم کیا، کتنی ناشکری کی کہ اللہ پر ایمان ہی نہیں لایا، یا اپنی پسند سے مانتا رہا۔ پھر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور کتابیں نازل فرمائیں، دعوت دی، ایک ایک بات سمجھائی مثالیں دے کر، تب تمہیں نہ اللہ کے نبی پر یقین آیا نہ اللہ کی کتاب پر یقین آیا۔ اب دیکھ کر کہتے ہو اِنَّا مُوْقِنُوْنَ اس یقین کو ہم کیا کریں؟ دیکھ کر تو ہر کوئی مان لیتا ہے۔ تم عظمتِ باری پہ یقین کرتے، تمہیں عظمتِ نبوت کا ادراک ہوتا، تمہیں وحی الٰہی کی عظمت کا احساس ہوتا، تم اللہ کی کتاب پہ یقین کرتے اور اُس کے مطابق عمل کرتے تو وہ یقین مطلوب تھا۔ آج دیکھ کر کون انکار کرے گا؟ آج تو فرعون بھی اور شداد بھی اور ہامان بھی کہتے ہیں جی! ہم نے دیکھ لیا ہم مانتے ہیں۔ آج ماننے کا کیا فائدہ؟ اللہ کے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ماننا تھا، محمد رسول اللہ ﷺ کو ماننا تھا اللہ کے قرآن کو...... وہ تو تم نے مان کر نہ دیا، اب کہتے ہو اب تو یقین ہو گیا ہے۔ اگر اللہ کریم روزِ اوّل سے یہ سب چیزیں انسانوں کے سامنے رکھ دیتے، جنت اور دوزخ کو ہر کوئی دیکھ سکتا، عذاب و ثواب ہر کسی کو نظر آ جاتا تو کون انکار کرتا؟ آزمائش ہی یہی تھی کہ تمہیں جو استعداد دی گئی ہے معرفتِ باری کی اُس سے تم عظمتِ باری کا ادراک کرو اور اللہ کریم کو ایسے مانو جیسے اللہ کے رسول ﷺ منواتے ہیں۔ جب اللہ کو مانو گے، اللہ کے نبی کو مانو گے، اللہ کی کتاب پر ایمان لاؤ گے تو پھر تم اللہ، اللہ کے نبی، اللہ کی کتاب کی خلاف ورزی کیسے کر سکو گے؟ پھر یقیناً تم اطاعت کرو گے اور نتیجتاً اللہ کے انعامات پاؤ گے۔ تم نے عظمتِ الٰہی کا انکار کیا، رسالت کا انکار کیا، کتاب کو تسلیم نہیں کیا۔ نتیجہ یہ ہے کہ عذاب بھگتو، اب واپس کہاں جاؤ گے؟ اب تو دنیا برباد ہو چکی، آسمان پھٹ گئے، سورج ڈھل گیا، سمندر اُڑ گئے، پہاڑ اُڑ گئے، ہر چیز بدل گئی۔ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ (ابراہیم:48) جس دن ہم زمین کو دوسری زمین بنا دیں گے، یہ وہ تمہاری والی زمین تو رہی ہی نہیں۔ یہ تو ہر چیز پھٹ پھٹ کر، ہر چیز تباہ ہو کر وہاں ایک نیا زمانہ بن گیا ہے۔ اب تو وہاں کچھ باقی نہیں۔ اب تم کہاں جاؤ گے؟

اگر ہم چاہتے تو سب کو ہدایت دے دیتے، لیکن ہم نے انسان کو استعداد دے کر اُس کے لیے آزمائش بنا دی اور ہمارا یہ ارشاد سچ ثابت ہوا۔ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۔ کہ ہمیں پتا تھا کہ جب ہم انسان کو یہ اختیار دیں گے تو وہ ضرور اپنی بڑائی میں مبتلا ہو جائے گا، دنیا کے لالچ میں کھو جائے گا، دنیا کی لذات میں کھو جائے گا اور عظمتِ الٰہی اور اطاعتِ الٰہی اور اتباعِ رسالت کی راہ سے بھٹک جائے گا۔ جو اس راہ سے بھٹکے گا وہ جہنم میں گرے گا اور ہم نے تو فرما دیا تھا کہ جنوں اور انسانوں سے جہنم بھی بھری جائے گی۔ اب کوئی بہانہ نہیں چلے گا، تمہاری معذرت

نہیں چلے گی۔ آج معافی مانگنے کا کوئی فائدہ نہیں فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا تونے دنیا میں اس دن کو بھلا دیا تھا جس دن تمہیں واپس بارگاہِ الوہیت میں حاضر ہونا ہے، جواب دینا ہے، پُرسش ہونی ہے۔ تم کہتے تھے دوبارہ کون زندہ ہوگا؟ کیسے ہوگا؟ کچھ بھی نہیں ہوگا۔ آج تک جو مرا ہے کوئی زندہ ہوا ہے؟ کوئی واپس نہیں آیا۔ تم اس دن کی ملاقات کو تو بھولے ہوئے تھے، اب مزہ چکھو اپنے کردار کا، جو کمایا وہ کھاؤ، اللہ کریم کسی پر زیادتی نہیں فرماتے۔ تم دنیا سے جو کما کر لائے ہو اب اُسے کھاؤ، موج کرو۔ تم اس دن کو بھولے ہوئے تھے۔ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ آج ہم نے تمہیں بھلا دیا۔

اللہ جل شانہ عیبوں سے پاک ہیں اور بھولنا ایک کمزوری اور عیب ہے لیکن جب اس طرح کی چیزیں اللہ کریم کی طرف منسوب کی جاتی ہیں تو اُن کا معنٰی بعید مراد ہوتا ہے۔ معنٰی بعید وہ ہوتا ہے جو اُس کام کا نتیجہ ہوتا ہے یعنی بھول جانے کا معنٰی بعید یہ ہوگا کہ جس چیز کو بندہ بھول جائے اُس کی اُسے پرواہ نہیں ہوتی۔ اُسے جب یاد ہی نہیں تو گرد میں پڑی ہے یا ٹوٹ گئی ہے، کسی نے اُس کی پالش خراب کردی ہے۔ جب یاد ہی نہیں تو اُسے کیا پرواہ ہے۔ فرمایا، تم ہمیں بھولے ہوئے تھے، ہم نے تمہیں ایسے کردیا جیسے بھولی ہوئی چیز ہوتی ہے۔ تم جہنم کے کس گڑھے میں گرتے ہو، تمہیں کتنی آگ لگتی ہے، تمہیں کتنے عذاب ہوتے ہیں، ہمارے لیے تمہاری کوئی حیثیت نہیں۔ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا تم اس دن کو بھولے ہوئے تھے، اُس بھول کا مزہ چکھو۔ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ ... آج ہم نے بھی تمہیں ایسا کردیا جیسے بھولی ہوئی چیز ہوتی ہے۔ تمہاری ہمیں کوئی پرواہ نہیں، خود اپنے لیے راستہ چنا، تم نے خود گناہ کر کے اپنے لیے عذاب مسلط کیے، کسی کو ایسی کوئی سزا نہیں دی جائے گی جس کا جرم اُس نے نہ کیا ہو۔ جو جرائم تم نے کیے، جو گناہ کیے اُن کا نتیجہ ہے، بھگتو، موج کرو۔ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ تم ابھی سے گھبرا رہے ہو، تمہارا لائحہ عمل جو تھا وہ کفر تھا لہٰذا یہ عذاب تو ہمیشہ رہے گا، تم ابھی سے گھبرا رہے ہو۔ یہ عذاب تو ہمیشہ ہمیشہ رہے گا، نہ تم مروگے، نہ جہنم ٹھنڈی ہوگی، نہ یہ عذاب ختم ہوں گے۔ تمہیں ہمیشہ رہنا ہے اور ہمیشہ عذاب میں رہوگے۔

خوش نصیب وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی استعداد کو استعمال کیا اور اللہ کی عظمت کو پہچانا اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا کتنے خوش نصیب وہ لوگ ہیں جو ایمان لاتے ہیں جنہیں یقین کامل نصیب ہوتا ہے۔ ہماری نشانیوں، ہماری آیات، ہماری کتاب، ہمارے انبیاؑ، عظمتِ الٰہی، آخرت پر ایمان لاتے ہیں اور جب کوئی اللہ کو مانتا ہے تو اُس کا عالم یہ ہوجاتا ہے کہ جب اُس کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے یا اُسے اللہ کی بات پہنچائی جائے، نصیحت کی جائے تو خَرُّوْا سُجَّدًا... وہ سربسجود ہوجاتا ہے کہ مجھے لفظ بلفظ قبول ہے۔ عظمتِ الٰہی کا ادراک جب ہوتا ہے تو بجز سجدے کے اور کوئی حال نہیں رہتا، انسان سجدے میں گر جاتا ہے۔ یہ آیاتِ سجدہ ہیں اس میں سجدہ واجب ہوجاتا ہے، پڑھنے والوں پر بھی اور سننے والوں پر بھی۔ جتنے لوگ بھی سنتے ہیں وہ نماز کے بعد یا نماز سے پہلے ایک سجدہ کرلیں۔ مجھے بھی کرنا ہوگا اور ایک نشست میں جتنی دفعہ پڑھتے رہو سجدہ ایک ہی ہوتا ہے۔ فرمایا، یقیناً جو ایمان لاتے ہیں ہماری آیات پر...... جب اُن پہ اللہ کا کلام پیش کیا جاتا ہے، انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو سرِ تسلیم خم ہی نہیں کرتے بلکہ سربسجود ہوجاتے ہیں۔ وَسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ...... اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ پاکی بیان کرتے ہیں، اُس کی عظمت بیان کرتے ہیں اُس کی شان بیان کرتے ہیں سبحان رَبِّیَ الْاَعْلٰی پاک ہے میرا رب جو سب سے بلند تر سب سے اعلیٰ وارفع ہے۔ ایک کیفیت ہے کہ جب کوئی مانتا ہے، اُسے نورِ ایمان نصیب ہوتا ہے، یقین نصیب ہوتا ہے۔ یہ رسماً ماننا نہیں، بہت سے لوگ آپ دیکھتے ہیں کہ کلمہ بھی پڑھتے ہیں، مانتے بھی ہیں لیکن لباس، کھانے پینے، عادات تہذیب سے لے کر اعمال تک کہیں اطاعت نہیں کرتے۔ لباس بھی کافرانہ ہے، حلیے بھی

کافروں جیسے ہیں، کردار بھی انہی جیسا ہے، گدھے بھی کھا رہے ہیں، کتے بھی کھا رہے ہیں، خنزیر بھی کھا رہے ہیں، شرابیں بھی پی رہے ہیں، کلمہ بھی پڑھ لیتے ہیں، تو یہ ماننا نہیں ہے۔ ماننا یہ ہے کہ جب عظمتِ الٰہی کا ادراک ہو اُس کی عظمت پہ یقین آ جائے تو بجز سجدہ کے اُس کے پاس اور کوئی راستہ ہی نہ رہے۔ سجدہ ریز ہو جانے سے مطلب ہے کہ پوری زندگی کا لائحہ عمل قبول کرلیں اور ہر سانس اُس طرح لیتے ہیں جس طرح اللہ کی رضا ہے اُس کی نافرمانی کا سوچتے بھی نہیں البتہ بتقضائے بشریت خطا ہو جائے تو اُس کی بارگاہ میں توبہ کرتے ہیں، روتے ہیں، گناہ سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو فرمایا یقیناً ایمان وہ لاتے ہیں، ہماری آیات کو وہ مانتے ہیں جن کے سامنے جب ذکر ہو اللہ کا تو سجدہ ریز ہو جاتے ہیں اور اُس کی حمد بیان کرتے ہیں اُس کی تعریفیں بیان کرتے ہیں۔

وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ اور روئے زمین پر رہتے ہوئے تکبر نہیں کرتے۔ ایمان کا یہ خاصہ ہے کہ بندے سے اپنی بڑائی کا دعویٰ نکال دیتا ہے کیونکہ اسے یقین ہوتا ہے کہ بڑا اللہ ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے، انسان ایک محتاج مخلوق ہے، یہ کیسے بڑا ہو سکتا ہے؟ جو بھوک پیاس کا محتاج ہے، جو سونے جاگنے کا، نیند کا محتاج ہے، جو گرمی سردی سے ڈرتا ہے، جو بول و براز کا محتاج ہے، وہ بڑا کیسے ہو گیا، وہ کیسے بڑا ہو سکتا ہے؟ بڑا وہ مالک الملک ہے جو کائنات کا خالق بھی ہے، پروردگار بھی ہے، اُسے چلا بھی رہا ہے۔ فرمایا، میرے بندے میری بارگاہ میں سجدہ ریز ہو جاتے ہیں، میری تعریف کرتے ہیں، میری پاکی بیان کرتے ہیں۔ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ اور وہ غرور نہیں کرتے اُن میں تکبر نہیں ہوتا تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ز وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ اُن کے پہلو بستروں سے جدا رہتے ہیں یعنی راتوں کو بھی وہ اُٹھ اُٹھ کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں، جب لوگ غفلت کی نیند سو رہے ہوتے ہیں، وہ اُٹھ کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس سے مراد تہجد کی نماز ہے۔ عشاء کے بعد سو جانا چاہیے اور پھر اُٹھ کر تہجد ادا کی جائے۔ نبی کریم ﷺ نے اکثر آٹھ رکعت تہجد کی ادا فرمائی ہیں، اور تہجد عموماً دو دو رکعت کر کے پڑھی جاتی ہے۔ اگر کوئی چار رکعت اکٹھی پڑھ لے تو پھر وہ دوسری رکعت کا التحیات، درود شریف تک پورا کرتا ہے۔ سلام نہیں پھیرتا۔ تیسری رکعت سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ سے شروع کرتا ہے تو اس طرح ملا کے چار رکعت، چار چار پڑھ لیتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی عادتِ مبارک یہ تھی کہ اکثر آپ ﷺ وتر بھی تہجد کے ساتھ پڑھا کرتے تھے لہٰذا آپ ﷺ آٹھ رکعت تہجد اور تین رکعت وتر، گیارہ رکعت نماز رات کی ادا فرمایا کرتے تھے۔

یا وہ خوش نصیب بھی ہیں جو عشا کی نماز باجماعت ادا کریں اور فجر کی نماز باجماعت ادا کریں تو اس وعدے میں اس انعام میں وہ بھی شریک ہیں، وہ بھی شب بیدار ہیں، انہیں بھی ساری رات عبادت کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ جو بندہ مومن عشاء کی نماز باجماعت ادا کر کے سو جائے اور فجر اُٹھ کر باجماعت ادا کرلے تو گویا وہ ساری رات نماز پڑھتا رہا۔ اللہ کریم اُس کا انعام عطا فرماتے ہیں۔ تہجد میں یہ بھی ہے کہ بعض اوقات کوئی بیمار ہوتا ہے، طبیعت خراب ہوتی ہے یا سونے میں دیر ہو گئی پھر یہ احتمال ہو کہ شاید نہ اُٹھ سکیں تو اگر عشا کے بعد تہجد ادا کرلی جائے تو وہ بھی ادا ہو جاتی ہے۔ بعض لوگوں کو رات کو اُٹھنا محال ہوتا ہے تو وہ چھوڑیں نہیں، عشا کی نماز کے بعد آٹھ نفل پڑھ لیں۔ آٹھ نہیں پڑھتے تو تہجد کی کم از کم تعداد چار ہے، چار نوافل پڑھ لیں تہجد کے قائم مقام ہے۔ سو کر اُٹھ کر پڑھنا، وہ زیادہ بہتر ہے اور اگر کسی کو فکر ہو کہ اُٹھ نہیں سکوں گا اور تہجد ضائع ہو جائے گی تو وہ سونے سے پہلے پڑھ لے۔

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا اور پروردگار کو پکارتے ہیں خوف سے بھی اور اُمید رکھتے ہوئے بھی۔ ایمان جو ہے یہ بیم و رجا میں ہے۔ ایمان لا کر کوئی

یہ سمجھے کہ مجھے سب کچھ مل گیا، نہیں۔ آپ امتحان گاہ میں ہیں، موت کے آنے تک آپ امتحان میں ہیں۔ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (الحجر:99) آخری سانس تک اللہ کی عبادت کرتے رہو، اللہ کریم کی اطاعت کرتے رہو تو موت تک ہر بندہ اس امتحان گاہ میں ہے دار الابتلاء میں ہے، موت ایمان پہ آجائے تو پھر یقین ہو جاتا ہے حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ تو تب تک ایمان بیم ورجا میں ہے، اُمید و خوف میں ہے۔ اللہ سے اُمید بھی نہ توڑے، عظمت الٰہی سے لرزاں و ترساں بھی رہے کہ کب کس وقت کون سا لفظ منہ سے نکل جائے اور اللہ کریم وہ قبول نہ فرمائیں اور اُس سے ناراض ہوں۔ کب کونسا کام ایسا کر بیٹھوں، کب کون سی غلطی ہو جائے تو ایمان ضائع ہو جائے۔

حضرت عمرؓ امیر المومنین فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی مجھے یہ بتائے کہ سارے لوگ جہنم میں جائیں گے صرف ایک بندہ جنت میں جائے گا تو مجھے اُمید ہے وہ میں ہوں گا، یا اگر کوئی مجھے یہ بتائے کہ سارے لوگ جنت میں جائیں گے، دوزخ میں صرف ایک بندہ جائے گا تو فرماتے تھے کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ میں ہی نہ ہوں۔ گویا ایمان بیم ورجا کے درمیان میں ہے، اُمید وعظمتِ الٰہی سے لرزاں و ترساں، یہ ایمان ہے اور پھر جب اُن کی یہ کیفیت ہوتی ہے تو کردار اُن کا یہ ہوتا ہے کہ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ہم نے جو نعمتیں اُنہیں دی ہیں انہیں ہمارے حکم کے مطابق خرچ کریں۔ اللہ نے صحت دی ہے، اُس سے ہم کیا کام کرتے ہیں؟ اللہ کی نافرمانی یا اللہ کی اطاعت؟ اللہ نے ہمیں زبان دی ہے اُس سے اللہ کی اطاعت کا کام لیتے ہیں یا نافرمانی کا؟ اللہ نے آنکھیں دی ہیں، کان دیے ہیں، اللہ کی اطاعت کا کام لیتے ہیں یا نافرمانی کا؟ اللہ نے علم دیا ہے، اللہ کے حکم کے مطابق اور اتباعِ رسالت میں، لوگوں تک خلوصِ دل سے پہنچا رہے ہیں؟ اللہ نے دولت دی ہے اسے شریعت کے مطابق خرچ کرتے ہیں؟ غریب مسکین کو اُس کا حق دیتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، صدقات دیتے ہیں؟ یا عیاشی پہ فضول یا جہاں سے اللہ نے روکا ہے اُس پہ خرچ کرتے ہیں؟ اسی طرح کسی کو عہدہ دے دیا ہے وہ انصاف کرتا ہے یا ظلم کرتا ہے؟ کسی کو حکومت اور اقتدار دے دیا ہے وہ کیا کرتا ہے۔

انفاق ہوتا ہے اللہ کے حکم کے مطابق چیزوں کو خرچ کرنا، ہم عقل کو خرچ کرتے ہیں، زبان کو خرچ کرتے ہیں، دل کو، احساسات کو، کردار کو، تو فرمایا وہ ہر طرح سے اللہ کے اطاعت گزار بن جاتے ہیں اور اس اطاعت کا انعام کیا ہے؟ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ انسان دنیاوی دماغ، دنیوی نگاہ، دنیوی علوم، اپنی بصارت، اپنی سوچ، اپنی فکر، اپنے شعور سے جان ہی نہیں سکتا کہ کیسی کیسی نعمتیں ہم نے اُن کے لیے رکھی تھیں یعنی انسان کو بتایا کیا جائے، وہ اتنی قیمتی، اتنی اچھی، اتنی خوبصورت، اتنی حسین، اتنی لذیذ نعمتیں ہیں کہ دنیا میں رہتے ہوئے اور اس میں عقل و شعور اور اس دنیاوی علم کے ساتھ انسان سوچ بھی نہیں سکتا۔ اس کی سوچ سے بھی بالاتر ہیں آخرت میں جب آئیں گے، شعور کو روشنی ملے گی، جنت میں جائیں گے تو انہیں پتا چلے گا کہ اللہ نے کیا کیا نعمتیں تیار کر رکھی ہیں۔ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ ... کوئی نہیں جانتا، کوئی جان سکتا ہی نہیں۔ مَّآ أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ اُن کی آنکھوں کی ٹھنڈک، اُن کے لیے بہترین...... ہم نے کیا کیا تیار کر رکھی ہیں، کیسے گھر بنائے ہیں، کیسا ماحول بنایا ہے، اور کیسے لباس بنائے ہیں، کیسی نعمتیں کھانے پینے، استعمال کی بنائی ہیں، کیسے خادم دیے ہیں، کیا کیا رکھا ہے؟ اور اُن کی صورتیں اُن کی کیفیات، اُن کی لذات کیا کیا ہیں؟ انسان دنیوی زندگی میں یہ سوچ نہیں سکتا۔ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ یہ انعامات اُن کے لیے ہیں جو دنیا میں نیک اعمال کرتے تھے، جو اللہ کے نبی کی اطاعت کرتے تھے، جو اللہ کا فرمان مانتے تھے، اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرتے تھے۔ اُن کو کیا کیا نعمتیں ملیں گی، تم نہیں جان سکتے۔ آؤ گے تو پتا چلے گا اور یہ بھول جاؤ کہ سب لوگ ایک ہی جیسے ہوں گے۔

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ایک بندہ ایمان لاتا ہے اور دوسرا بدکار ہے۔ کیا ایک جیسے ہو جائیں گے؟ اللہ اللہ، استغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ یہاں اس آیت کریمہ میں عجیب بات یہ ہے کہ ایمان عموماً کفر کے مقابل ہوتا ہے کہ یہ مومن ہے، یہ کافر ہے۔ یہاں ایمان آیا، اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا بدکار کے مقابلے میں۔ کیا ایمان والے لوگ اور بدکار، برائی کرنے والے یہ ایک جیسے ہوں گے؟ لَا يَسْتَوٗنَ کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ یہ ایمان کے مقابلے میں فسق ہے۔ فسق کہتے ہیں گناہ کو، نافرمانی کو، تو قرآن کا منشا یہ ہے کہ جو اللہ کی اطاعت نہیں کرتا دعویٰ تو ایمان کا کرتا ہے، کلمہ تو پڑھتا ہے فی الحقیقت اُس کا ایمان نہیں ہے، اسے یقین نہیں ہے۔ کوئی ہمیں بتادے کہ یہ زہر ہے، کیا ہم کھائیں گے؟ ہرگز کوئی نزدیک بھی نہیں جائے گا، یہ ایمان ہے نا۔ ہم دیکھ رہے ہیں سامنے آگ ہے۔ کوئی اُس میں پاؤں رکھے گا؟ ایمان ہے نا یہ، اُسے یقین ہے کہ آگ جلادے گی اس لیے پاؤں نہیں رکھے گا۔ فرمایا، جب میں بتاتا ہوں کہ اس جرم کے بدلے دوزخ میں جلنا ہوگا تو وہ کام کیوں کرتے ہو؟ اس کا مطلب ہے تمہیں ایمان نہیں ہے، تم نے مانا نہیں ہے، زبانی کہتے ہو۔ جب اللہ کریم ارشاد فرماتے ہیں کہ اس جرم کے بدلے میں جہنم جانا پڑے گا، اس گناہ کا بدلہ دوزخ میں یہ سزا ہوگی۔ اس کی یہ سزا ہوگی پھر بھی تم وہی گناہ کرتے ہو۔ تو اس کا مطلب ہے تم نے یقین نہیں کیا تو گناہ بھی ایمان کی کمزوری کا نتیجہ ہے، لہٰذا ہمیں یہ احساس کرنا چاہیے کہ یہ جو خلافِ اسلام ہماری زندگی ہے کہیں یہ ہمارے ایمان ضائع نہ کردے۔ دنیا میں ہم اس پر خوش رہیں کہ میں مومن ہوں، آخرت میں جا کے پتا چلے گا کہ تمہارا تو ایمان ختم ہو چکا، تمہارے گناہ کھا گئے، تمہارے جرائم کھا گئے، جیسے زنگ چیزوں کو کھا جاتا ہے تمہارے ایمان کو کھا گئے، كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (المطففین:14) ان کے دلوں کو زنگ لگی ہوئی تھی۔ اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا بدکار اور ایماندار کیا ایک جیسے ہوں گے؟ لَا يَسْتَوٗنَ ہرگز نہیں، یہ برابر نہیں ہو سکتے، وہ جہنم جائیں گے یہ جنت جائیں گے۔

اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى نُزُلًا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ جن لوگوں کا ایمان درست ہے وہ نیک کام کرتے ہیں۔ یہاں بھی عمل کے مقابلے ایمان آ گیا۔ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ... جو یقین لائے ایمان لائے ہیں پھر وہ اچھے کام کرتے ہیں۔ اللہ کی اور اللہ کے نبیؐ کی اطاعت کرتے ہیں۔ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى اُن کے رہنے کے لیے باغات ہیں، جنتیں ہیں، بہترین گھر ہیں، بہترین ٹھکانے ہیں۔ تم یہ سمجھ لو کہ جب تمہارے گھر کوئی مہمان آتا ہے تو کیا اُسے روزمرہ کا کھانا دیتے ہو یا اُس کی دعوت کرتے ہو؟ کسی کے گھر مہمان آجائیں تو وہ اپنی حیثیت کے مطابق کوشش کرتا ہے کہ بہتر سے بہتر چائے یا بہتر سے بہتر بیٹھنے کی جگہ یا بہتر سے بہتر کھانا اُسے دے۔ فرمایا، یہاں بھی یوں سمجھ لو نُزُلًا وہ ہمارے مہمان ہیں۔ اب جنہوں نے اطاعت کی جنت اُن کا ٹھکانہ ہے، اور اللہ کریم فرماتے ہیں تم دنیا میں سمجھ نہیں سکو گے کہ انہیں کیا کیا نعمتیں ملیں گی، اس لیے تم یوں سمجھ لو کہ وہ ربّ العالمین کے مہمان ہیں۔ اب وہ اپنے مہمانوں کو کیا کیا نعمتیں دے گا۔ وہ جانے اور اُس کی شان جانے، ہمارے علوم و ادراک سے بالاتر ہے۔ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ اس لیے کہ انہوں نے کام ہی اچھے کیے تھے۔ انہوں نے میرے نبیؐ کی اطاعت کی، انہوں نے میری کتاب کی اطاعت کی، انہوں نے میری عظمت کو مانا، میرے ارشادات کو مانا، میرے نبیؐ کی پیروی کی اور تھکے ہارے دنیا سے آئے ہیں، اب یہ میرے مہمان ہیں، ان کی مہمانی میں کروں گا۔ کسی نے میری راہ میں جان دی، کسی نے میری راہ میں مال خرچ کیا، کوئی اُٹھ اُٹھ کر راتوں کو مجھے پکارتا رہا، آرام تج دیا، مجھے یاد کرتا رہا، ایک ایک نعمت پر میرا شکر ادا کرتا رہا، ان کا رات دن میری یاد میں بسر ہوا، ان کا کردار میرے احکام کے مطابق تھا، یہ میرے نبی ﷺ کے

فرمانبردار تھے۔ یہ آج میرے مہمان ہیں، تم خود سوچ لو کہ تم مہمانوں کی کس طرح خدمت کرتے ہو، یہ میرے مہمان ہیں میں اپنی عظمت کے مطابق ان کی مہمانداری کروں گا۔ وَاَمَّا الَّذِیْنَ فَسَقُوْا جنہوں نے اطاعت نہیں کی، نافرمانی کی۔ یہاں پھر وہی فسق و فجور آرہا ہے، یہاں کفر نہیں سامنے لایا گیا۔ فسق و فجور دراصل کفر ہی ہے، نہ ماننا ہی ہے۔ جب ایک آدمی بات پہ عمل نہیں کرتا تو گویا اُس نے مانا نہیں، یا میں کہتا ہوں مجھے ایک گھونٹ پانی پلا دو۔ جی! بالکل سن لیا، آپ کو لا دیں گے، لا کر کوئی نہیں دیتا تو اُس کا ماننے کا کیا فائدہ۔ اُس نے مانا؟ نہیں مانا۔ ہم کہتے ہیں جی ہم مانتے ہیں لیکن ہم سوچ و فکر سے لے کر کردار تک سب کچھ اتباعِ رسالت کے خلاف کرتے ہیں۔ احکامِ شریعت کے خلاف کرتے ہیں تو پھر ہم نے کیا مانا؟ سو فرمایا۔ وَاَمَّا الَّذِیْنَ فَسَقُوْا جنہوں نے نافرمانی کی فَمَاْوٰھُمُ النَّارُ جلیں گے، تکلیف ہوگی، دکھ ہوگا، بھاگیں گے کہ اس سے نکل جائیں۔ اُعِیْدُوْا فِیْھَا پھر اُنہیں اندر دھکیل دیا جائے گا، باہر نکلنے کا راستہ نہیں ہے۔ جہنم سے گھبرا کر بھاگیں گے، اُعِیْدُوْا فِیْھَا واپس پھینک دیے جائیں گے۔ جاؤ وہیں، بھگتو۔ وَقِیْلَ لَھُمْ ... اور انہیں کہا جائے گا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِیْ کُنْتُمْ بِہٖ تُکَذِّبُوْنَ آج اُس عذاب کا مزہ چکھو، عذاب چکھو جس کے بارے تم دنیا میں کہتے تھے کہاں جی کدھر دوزخیں اور کہاں آگ اور کہاں عذاب ہوگا...... یہ مولویوں نے باتیں گھڑ رکھی ہیں اور یہ لوگوں کو ڈراتے رہتے ہیں، اور کدھر آئی آگ اور کون آگ میں جلائے گا؟ فرمایا دنیا میں تم یہ کہتے تھے، دلیر تھے، اگر تمہیں دوزخ کا ڈر ہوتا تو نافرمانی کیوں کرتے؟ اگر تم نے نافرمانی کی تو اس کا مطلب یہ کہ تمہیں نافرمانی کے نتائج کا یقین نہیں تھا۔ اب تمہیں یقین آگیا اور اب صرف یقین نہیں آگیا، بھگتو اور اُس کا مزہ چکھو۔

وَلَنُذِیْقَنَّھُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰی دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَکْبَرِ لَعَلَّھُمْ یَرْجِعُوْنَ فرمایا: ہمارا کرم تو اتنا ہے کہ ہم ان پر دنیا میں تکلیفیں بھیجتے ہیں، کبھی بیماری بھیج دی، کبھی کوئی اور دکھ بھیج دیا، کبھی مال میں خسارہ ہوگیا، کبھی عہدہ جاتا رہا، دنیا میں چھوٹے عذاب ہیں۔ ہم ان پر اس لیے بھیجتے ہیں کہ یہ اس سے ڈر کر توبہ کرلیں۔ ان سے تکبر نکل جائے، اپنی بڑائی نکل جائے، انہیں اپنی عجز و نیاز مندی کا احساس ہوجائے، اپنے محتاج ہونے کا احساس ہوجائے اور نافرمانی چھوڑ دیں تو گویا جو مصیبت آتی ہے، بیماری آتی ہے وہ بھی من جانب اللہ، اللہ کی رحمت ہوتی ہے اگر توبہ کا سبب بن جائے، اگر انسان اُس سے یہ سبق سیکھ کر توبہ کرلے تو وہ بھی رحمتِ الٰہی ہے۔ فرمایا، ہم نے تو ان پر بڑے کرم کیے۔ قدم قدم پر انہیں سمجھانے کے لیے ان کے ساتھ معاملات کیے۔ کون انسان ہے جس پر دنیا میں تکلیفیں نہیں آئیں؟ اگر اُس نے اُس سے سبق سیکھ لیا تو رحمتِ الٰہی ہے اور اگر نہیں سیکھا تو بہت بدبختی تھی۔ وہ اُس کے لیے دنیا میں عذاب بن گئی، تو ہم نے انہیں دنیا میں بھی مصیبتیں بھیج کر یہ چاہا کہ یہ رجوع الی اللہ کریں، توبہ کرلیں جنہوں نے نہیں کی، دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَکْبَرِ لَعَلَّھُمْ یَرْجِعُوْنَ پھر اُنہیں بڑے عذاب بھگتنے پڑیں گے، پھر اُنہیں جہنم میں رہنا پڑے گا۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُکِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّہٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْھَا فرمایا کبھی سوچو، بیٹھ کر سوچو، غور کرو اس بات پر کہ کسی کو اللہ کی بات پہنچائی جائے، وہ کہے نہیں، میں اس کی پرواہ ہی نہیں کرتا، مجھے ضرورت نہیں ہے، اس سے بڑا کوئی جرم ہوسکتا ہے؟

دیکھیں! بڑی عجیب بات ہوتی ہے اگر ہم محسوس کریں تو قرآن کا ایک ایک لفظ ارشادِ باری ہے اور اللہ کریم کا ذاتی کلام ہے۔ یہ کاغذ قرآن نہیں ہے، یہ سیاہی قرآن نہیں ہے، یہ نکتے، یہ ٹنڈے، یہ گھیرے، قرآن نہیں ہے۔ اس عبارت کے اندر جو مفہوم ہے وہ قرآن ہے۔ ورنہ اسی کاغذ پر، اسی سیاہی سے اور کوئی عبارت لکھ دیں وہ قرآن نہیں ہوگی۔ قرآن، اس کا جو مفہوم ہے وہ اللہ کا ذاتی کلام ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ متکلم کا پرتو اُس کے کلام میں ہوتا ہے۔ آپ

ایک آدمی کی بات سنتے ہیں، پرواہ نہیں کرتے۔ ایک آدمی کی بات سنتے ہیں تو بیٹھ جاتے ہیں، اُس کی بات میں اثر ہوتا ہے، کیفیت ہوتی ہے، لذت ہوتی ہے۔ جو لوگ قرآن نہیں سنتے وہ بھی گانے تو سنتے ہیں، پھر گانے والوں میں بھی ڈھونڈتے ہیں کہ نہیں، فلاں کا گانا سنیں کہ وہ جانتا ہے۔ اس کا مطلب ہے گانے والے کا اثر اُس کے گانے میں، مقرر کا اثر اُس کی تقریر میں، بات کرنے والے کا اثر اُس کی بات میں ہوتا ہے۔ تو الفاظِ قرآنِ کریم تجلیاتِ باری کے امین ہیں، پھر یہ نازل ہوئے قلبِ اطہر محمد رسول اللہ ﷺ پہ، پھر آپ ﷺ کی زبانِ مبارک اور لب ہائے مبارک پر جاری ہوئے اور اللہ کے محبوب اور خوش نصیب بندوں نے وہاں سے لیے اور دنیا میں پھیلائے۔ اب فرمایا، ذرا سوچو میرا ذاتی کلام ہو، حضور ﷺ کے لب ہائے مبارک سے بندے تک پہنچے۔ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا وہ کہے مجھے اس کی پرواہ نہیں، اس سے بڑا کوئی جرم ہے؟ اس سے بڑا کوئی گناہ ہو سکتا ہے؟ یادرکھو اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِیْنَ مُنْتَقِمُوْنَ یقیناً ہم مجرموں سے انتقام لیں گے۔ یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ یہ چھوڑا نہیں جا سکتا۔ آج تو ہم کہہ دیتے ہیں ہمیں اس کی پرواہ نہیں۔ جب بارگاہِ الٰہی میں جائیں گے تو سمجھ آجائے گی کہ اس کی پرواہ کرنی چاہیے تھی یا نہیں۔

ہم کتنے مزے سے جیتے ہیں۔ نمازوں کے اوقات گزر جاتے ہیں اور ہم سجدے نہیں کرتے۔ میرا وہ کام، میرا یہ کام، میری یہ...... میاں کام کب تک کرو گے؟ سانس نکل جائے گی، کام رہ جائیں گے۔ وہ جی! گھر بن رہا ہے، جی کوٹھی بن رہی ہے، جی گاڑی آرہی ہے، جی وہ کرنا ہے۔ کیا کرو گے ان سب کو؟ اللہ ان سے روکتا ہے کہ کوٹھیاں بناؤ؟ حلال مال سے بناؤ، گاڑیاں خریدو جائز آمدن سے خریدو۔ اچھا لباس پہنو، حلال کما کر پہنو لیکن اللہ کی عبادت کو بھی وقت دو اور ہر عبادت وقت پر کرو۔ روزے کے وقت پر روزہ رکھو، افطار کے وقت پر افطار کرو۔ نماز کے وقت نماز ادا کرو، فارغ ہو کر دنیا بسی ہے جاؤ۔ ہم نماز کو بیکار سمجھتے ہیں حالانکہ اللہ کریم کا احسان ہے، وہ فرماتا ہے ہر صبح سویرے جب اُٹھتے ہو، دن کی ابتدا میری ملاقات سے کرو۔ ہاتھ منہ دھوؤ، وضو کرو، لباس پاک کرو، قبلہ رو کھڑے ہو کر مجھ سے بات کرو۔ کیا کرنا چاہتے ہو؟ کون سی مدد چاہتے ہو؟ کیسے دن بسر کرنا چاہتے ہو؟ مجھ سے بات کرو پھر کام پر جاؤ۔ جب دوپہر ڈھلتی ہے، وقفہ ہوتا ہے کھانے کا وقفہ ہوتا ہے، ہر دفتر میں ہوتا ہے اُس وقت میں پھر مجھ سے ملاقات کرو۔ ہاتھ منہ دھوؤ، وضو کرو، قبلہ رو ہو کر کھڑے ہو جاؤ، اپنا دکھ سکھ میرے ساتھ کرو۔ صبح تم نے بات کی تھی کتنی تمہیں مدد ملی؟ کہاں کمزوری رہ گئی؟ کہاں شیطان نے تمہیں بہکا دیا؟ کہاں نفس نے خراب کیا؟ کہاں دنیا بیچ میں آگئی۔ پھر میری بارگاہ میں آؤ، میں تمہیں نئی زندگی، نئی طاقت، نئی انرجی دے دوں گا، پھر جاؤ میدان میں۔ عصر کو تو چھٹی ہو جاتی ہے، چھٹی کر کے پھر میرے پاس آؤ، مجھے سناؤ دن بھر کیا کیا؟ کوئی کمی رہ گئی ہے تو مجھ سے توبہ کرو میں پوری کر دوں گا۔ غلطی ہو گئی ہے تو میں معاف کر دوں گا۔ دن ڈوب گیا، شام ہو گئی، رات شروع ہوئی، آجاؤ میرے پاس آؤ، مجھ سے بات کرو، مجھ سے رات کی امان چاہو، عافیت چاہو، رات کو زندہ رکھنے کی توفیق چاہو۔ اللہ اللہ کرنے کی توفیق چاہو۔ کھانا پینا کرو، فارغ ہو گئے ہو اب سونے جا رہے ہو، نہیں، مجھ سے مل کر جاؤ، میری بارگاہ میں آجاؤ۔ ایسا مالک جو کسی کا محتاج نہ ہو، جو اتنا کریم ہے۔ کون مالک ہے کہ جس کی اُسے ضرورت نہیں اُسے دن میں پانچ دفعہ وقت دیتا ہے کہ آجاؤ یار! میرے ساتھ اپنا دکھ سکھ کر لو۔ میں تمہاری ساری تکلیفیں بھی دور کروں گا اور سارے معاملات میں برکت بھی ڈالوں گا اور آسانیاں بھی پیدا کروں گا۔ ہے کوئی ایسا دنیا میں؟ یہ اُسی کو زیبا ہے۔ ایسا بدنصیب بھی کوئی ہے کہ جو کہے نہیں، میں خود کر لوں گا، مجھے آپ سے ملنے کی فرصت نہیں ہے؟ اندازہ کر لیں نتیجہ کیا ہو گا۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

شیخ المکرمؒ کی مجلس میں سوال اور اُن کے جواب

27 جولائی 2014ء

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

سوال: تصوف وسلوک میں ایثار اور تسلیم ورضا کی کیا حیثیت ہے؟

جواب: یہ سوال برائے سوال ہے۔ جو کام کر کے دیکھا جائے اس کی سمجھ آجاتی ہے اور جسے کیا نہ جائے اُس میں سے کچھ پلے نہیں پڑتا۔ اسلام کیا ہے؟ سلامتی۔ سلامتی سے مراد یہ ہوتا ہے کہ بندہ خود بھی سلامت رہے، اطاعتِ الٰہی کی حدود سے باہر نہ نکلے۔ سلامتی کہاں ہے؟ اطاعتِ الٰہی کے اندر سلامتی ہے، جیسے فرمایا گیا: اُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً (البقرہ:208) سارے کے سارے اسلام کے اندر آجاؤ یعنی اسلام کے اندر سلامتی ہے۔ تصوف کوئی الگ شے نہیں ہے، تصوف کہتے ہیں کہ جو اطاعتِ الٰہی ہم عملاً کرتے ہیں، اس کی ایکٹنگ نہ کریں، اداکاری نہ کریں بلکہ خلوصِ دل سے کریں۔ یہ جو خلوص ہے یہ تصوف ہے۔ اعمالِ ظاہری شریعت کے مطابق کرنے ہیں اور ان میں خلوص پیدا ہو جائے، یہ تصوف ہے۔ صفائے قلب ہو جائے، دل صاف ہو جائے، تزکیہ ہو جائے۔ تزکیہ کا ترجمہ ہے تصوف۔ علماء نے اس پر طویل بحثیں کی ہیں لیکن میری رائے یہ ہے کہ سیدھا سادہ تزکیہ کا ترجمہ تصوف ہے۔ اب اسلام میں ایثار کتنا ہے، وہ ایثار خلوص سے کیا جائے تو تصوف ہو جاتا ہے، تصوف کوئی الگ چیز تو نہیں ہے۔ ایثار کرتے ہیں، دوسروں کی مدد کرتے ہیں، اپنا مال دوسروں کو دیتے ہیں، اپنا وقت دوسروں کو دیتے ہیں، اپنی توتیں دوسروں کی بھلائی کے لیے صرف کرتے ہیں۔ یہ سارا کیا ہے؟ یہ سارا ایثار ہے لیکن ہوتا یہ ہے کہ ہم جو بھلائی کے کام کرتے ہیں، ان سے ہمیں کبھی شہرت مطلوب ہوتی ہے، کبھی کوئی دنیوی نفع۔ ایثار وہ ہے جو آپ پر فرض نہیں ہے لیکن آپ اللہ کی رضا کے لیے کرتے ہیں۔ دوسروں کے جو حقوق آپ پر فرض ہیں آپ وہ دیتے ہیں تو یہ ایثار نہیں ہے۔ جس کے حقوق آپ کے ذمے نہیں ہیں، اس کی مدد کرتے ہیں تو یہ ایثار ہے۔ اب بندہ ایثار کرتا ہے، اسے یہ خیال ہوتا ہے کہ لوگ مجھے بہت بڑا سخی سمجھیں، نیک سمجھیں، پارسا سمجھیں، شہرت ہو جائے یا کوئی دنیوی فائدہ مطلوب ہوتا ہے، اس کی نظرِ کرم ہو تو کل مجھے فلاں چیز لوٹا دے گا۔ یہ ساری باتیں نہ ہوں، محض اللہ کی رضا ہو تو یہ تصوف ہے۔ قلب میں وہ صفائی پیدا کی جائے دل کو اتنا صاف کیا جائے کہ وہ اللہ کے لیے اللہ کرے۔

سوال: تسلیم ورضا کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: وہ ایک فارسی مصرعہ ہے کہ

لذتِ ایں مے نہ شناسی تا نہ چشی

یعنی اس مشروب کی لذت بغیر چکھے آپ نہیں جان سکتے، چکھیں گے تو پتا چلے گا۔ میرے بھائی تسلیم ورضا کی حقیقت نہ بتانے سے آتی ہے اور نہ سننے سے آتی ہے، کرنے سے آتی ہے۔ تسلیم ورضا کیا ہے؟ اللہ کی تقدیر کو، اللہ کے احکام کو ماننا تسلیم ہے، اللہ کی تقسیم پہ راضی رہنا رضا ہے۔ دکھ آجائے تو بھی اللہ کا شکر کرے اللہ سے معافی مانگے، بیماری آجائے صحت کی دعا کرے، لیکن شکایت نہاں خانہ دل

میں بھی نہ ہو۔ یہ نہیں کہ زبان پہ شکایت نہ لائے، بلکہ نہاں خانہ دل میں بھی شکایت نہ ہو، یہ رضا ہے۔ احکامِ الٰہی کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال لینا یہ تسلیم ہے۔ تسلیم ہوتا ہے بات کا مان لینا، رضا ہوتا ہے جو کچھ اگلے کی طرف سے آئے اس پہ راضی رہنا۔ تسلیم ورضا جب اللہ کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں تو تسلیم سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے ہر حکم کی تعمیل کرے اور اس میں خوشی محسوس کرے، جبر محسوس نہ کرے کہ مجبوری ہے، کیا کریں یہ کرنا ہے، یہ تسلیم نہیں ہے۔ تسلیم یہ ہے کہ اس میں خوشی محسوس کرے کہ میں اللہ کے حکم کی اطاعت کر رہا ہوں، جو بہت مشکل ہوتی ہے کرنا۔ لوگ کیا کہیں گے، مجھے مشقت کرنا پڑے گی، میرے پاس فرصت بھی نہیں ہے۔ بہت سی چیزیں ہوتی ہیں جو تسلیم سے روک لیتی ہیں اور رضا یہ ہے کہ منجانب اللہ جو پیش آ جائے اس میں دل میں بھی شکایت نہ ہو۔ مصیبت آ جائے، بیماری آ جائے تو شفا کی دعا کرے، مصیبت سے نکلنے کی دعا کرے، اسباب ظاہری اختیار کرے۔ یہ سارا درست ہے۔ یہ نہیں کہ مصیبت آئے تو ہاتھ باندھ کر بیٹھ جائے، بیماری آ گئی علاج نہیں کرنا، یہ رضا نہیں ہے، علاج کرنا بھی اللہ کا حکم ہے، علاج کرے، دوا کرے لیکن شفا ہو یا نہ ہو اس کے دل میں بھی شکوہ نہ ہو، اسے یہ اعتماد ہو کہ جو منجانب اللہ ہوا وہ ہی ٹھیک ہے۔ لیکن یہ کیفیات ہیں، یہ حاصل کرے۔

ہمارا عالم یہ ہے کہ جس سے پوچھو وہ کہتا ہے جی مجھے بڑا شوق ہے، مجھے روحانی بیعت نصیب ہو جائے۔ آپ کو دنیا کی بہت سی چیزوں کا شوق ہوتا ہے فلاں موبائل لے لوں، فلاں کپڑا لے لوں، میں ایک ہفتہ لاہور رہ آؤں، تو اس کے لیے آپ اسباب مہیا کرتے ہیں، جس چیز کا شوق ہوتا ہے اس کے لیے وسائل مہیا کیے جاتے ہیں۔ لاہور دیکھنے کا شوق ہے تو لاہور جانے کا کرایہ، وہاں رہنے کا خرچہ، کسی سے تعلق ہے تو اس سے بات، پھر آپ گاڑی یا بس کا ذریعہ اختیار کرتے ہیں اور اس سے جاتے ہیں۔ کوئی موبائل، کوئی کپڑا خریدنے کا شوق ہے تو آپ پیسے بچا کر خریدتے ہیں۔ یہ کون سا کام ہے کہ اس کے لیے کام نہ کیا جائے اور مجھے بڑا شوق ہے، مجھے روحانی بیعت کا بڑا شوق ہے لیکن نمازیں رہ جاتی ہیں۔ یہ کون سا شوق ہے؟ کیا روحانی بیعت بے نمازیوں کی ہوگی؟ یا تہجد کبھی کبھی پڑھ لیتا ہوں۔ کیا بات ہے! جب آپ کا اس معاملے میں یہ عالم ہے، بات آپ کرتے ہیں عالم بالا کی، کام نہیں کرتے آپ لطائف کا بھی، تو پھر کیا حاصل ہوگا؟ ہم نے یہ سوال کسی سے نہیں کیے، ہم نے اپنے مشائخ سے یہ نہیں پوچھا، ہمیں جو حکم ملا اس کے مطابق ہم نے محنت کی مجاہدہ کیا، یہ چیزیں اللہ کریم نے سمجھا دیں۔ میں نے کسی مدرسے میں نہیں پڑھا۔ میں نے یہ سوال کبھی شیخ سے نہیں پوچھا۔ یہ کیفیات ہیں جو نصیب ہو جاتی ہیں تو سمجھ آ جاتی ہیں۔ بھوکے کو بھوک لگتی ہے تو سمجھ آ جاتی ہے کہ بھوک کیا ہوتی ہے، کھانا مل جائے تو پتا چل جاتا ہے کہ پیٹ بھر کر کھانا کیا ہوتا ہے۔ آپ تقریریں کرتے رہیں کہ یہ بھوک ہوتی ہے، وہ کھاتا رہے اسے کیا پتا ہے بھوک کیا ہوتی ہے۔ ایک بھوکا بیٹھا رہے، آپ اسے کھانے کے فضائل گنواتے رہیں۔ اسے کیا پتا کھانا کیا ہے، کھانا ملے گا تو پتہ چلے گا۔

محنت کریں، لطائف بنیاد ہیں۔ لوگ اینٹوں کی دیوار بھی بناتے ہیں، اس کی بنیادوں میں بڑے بڑے پتھر اور بجری ڈال کے ٹھوس بنیادیں بناتے ہیں۔ دیوار نو انچ کی یا تیرہ انچ کی اُٹھائی ہوتی ہے۔ تین فٹ کی بنیاد نیچے کھودتے ہیں، ایسا کیوں کرتے ہیں؟ وہ تو زمین میں دفن ہو گئی تو چار انچ کی بھی ہو۔ ایک اینٹ چار انچ کی یا نو انچ کی لگا دی جائے۔ نہیں! اس نے ساری عمارت کو اُٹھانا ہے، اس لیے وہ ساری عمارت سے مضبوط ہونی چاہیے کہ اگر دس منزلیں بن جائیں تو بوجھ اُٹھا لے۔ لطائف بنیاد ہیں، جن بھائیوں کی نمازیں چھوٹ جاتی ہیں وہ لطائف کیا خاک کریں گے۔ یہ تو زائد ہے، نماز تو فرض عین ہے چھوڑنے کا تصور ہی نہیں ہے۔ نمازیں چھوٹ جاتی ہیں تو لطائف کیا خاک کرتے ہوں گے۔ آپ سوال لکھتے ہیں جو عالم حیرت کے ہیں، عالم امر کے ہیں۔ کوئی رسالوں سے پڑھ لیا، کوئی اخباروں

سے پڑھ لیا، کوئی فیس بک سے پڑھ لیا اور وہ سوال لکھ دیئے جو شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو اپنے شیخ سے کرنے چاہئیں تھے، اور موٹے موٹے الفاظ ڈھونڈ کر اور تلاش کر کے لکھ دیئے۔ اس سے کچھ نہیں ہوتا، عمل کریں، عمل سے بنیادیں مضبوط کریں۔ اللہ یہ نعمتیں آپ کو بھی دے لیکن خالی شوق نہیں، اپنے آپ سے دھوکا نہیں کرنا چاہیے۔ کوئی شوق نہیں، جس کام کے لیے آپ محنت نہیں کرتے اُس کا شوق کہاں؟ بس آپ کے پاس میرا خیال ہے صرف رسالوں سے اور کتابوں سے دیکھی ہوئی باتیں ہیں، یا ٹیلی ویژن پر سنی ہوئی باتیں ہیں۔ کوئی اور بات آپ کے پاس کام کی نہیں ہے۔

سوال: طلبِ صادق کی حقیقت کیا ہے؟

جواب: ہر بندے کو حصولِ دنیا کی طلبِ صادق ہے، سو یا ہوا اُٹھتا ہے تو دنیا کے لیے بھاگنا شروع کر دیتا ہے۔ بھاگ بھاگ کر تھک ہار کر رات کو گرتا ہے، صبح اُٹھ کر پھر بھاگنا شروع کر دیتا ہے، یہ طلبِ صادق ہے۔ اسے طلبِ صادق اس لیے نہیں کہتے کہ جھوٹی چیز کی طلب، صادق نہیں ہوتی۔ لیکن طلب تو ہے ناں، یہ طلب جب رضائے الٰہی کے لیے ہو جائے اور بندہ سر توڑ کوشش کرے اطاعتِ الٰہی کی اور اطاعتِ پیغمبر ﷺ کی اور برکات کو تلاش کرے تو طلب صادق بن جاتی ہے۔ دنیا کے پیچھے، جھوٹی دنیا کے پیچھے فدا ہوا رہتا ہے۔ دنیا چونکہ جھوٹی ہے طلب بھی کاذب ہو جاتی ہے۔ اب آپ طلب صادق پوچھ رہے ہیں۔ یہ عجیب سی بات ہے کہ طالبِ حقیقی کے ٹارگٹ، آپ ابھی طلب صادق پوچھ رہے تھے ابھی آپ طالبِ حقیقی بن گئے۔ یعنی ابھی آپ راستہ پوچھ رہے تھے ابھی آپ پہنچ بھی گئے، پل بھر میں کیا کرتے ہو؟ طالبِ حقیقی بنتا ہی تب ہے جب پہلے اسے کسی ٹارگٹ کا پتا چلے، طالبِ حقیقی بننے کے بعد ٹارگٹ نہیں، گولی چلنے کے بعد نشانہ نہیں تلاش کیا جاتا کہ کہاں مارنی تھی۔ ٹارگٹ پہلے ہوتا ہے فائر بعد میں ہوتا ہے۔ منزل کا تعین پہلے ہوتا ہے اور طالبِ حقیقی پہلے حقیقت کو پاتا ہے پھر طالبِ حقیقی بنتا ہے۔ تو اگر یہ حقیقت تقریروں سے آتی، تحریروں سے آتی، تو ہر مولوی جو تقریریں کر رہا ہوتا ہے، وہ طالبِ حقیقی ہوتا۔ پہلے حقیقت کو پانا پڑتا ہے۔

حقیقت ہے کیا؟ نبی کریم ﷺ خانۂ اقدس میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے پوچھا، گھر میں کھانے کو کچھ رکھا ہے؟ تو عرض کی گئی یارسول اللہ ﷺ! کلیجی کا ایک ٹکڑا ہدیۃً آیا تھا اور وہ آپ ﷺ کے لیے رکھا ہے۔ فرمایا لے آؤ۔ وہ جب اُٹھائی گئی تو وہاں سیاہ پتھر پڑا تھا۔ بکرے کی کلیجی رکھی گئی تھی، کلیجی کے بجائے پتھر ملا۔ یارسول اللہ ﷺ یہ تو پتھر بن گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کوئی سائل تو نہیں آیا تھا؟ یارسول اللہ ﷺ آیا تھا، ہم نے تو دعا دے کے رخصت کر دیا، یہ آپ کے لیے بچا کر رکھ دیا کیونکہ کھانے کے لیے صرف یہی تھی، آپ کا انتظار تھا آپ کے لیے بچا کر رکھ دی۔ اسے دعا دے کر رخصت کر دیا۔ فرمایا اسے دے دیتے۔ نہیں دی تو یہ پتھر ہو گئی اور پھر آپ ﷺ نے دعا فرمائی اَللّٰھُمَّ اَرِنَا حَقِیْقَۃَ الْاَشْیَآءِ اے اللہ ہمیں چیزوں کی حقیقت دکھا دے۔ اور کسی کے لیے وہ پتھر نہیں بنتی، میرے آپ کے لیے نہ بنتی لیکن جب آخرت میں جاتے تو پتا ہوتا کہ ہم نے تو پتھر کھائے ہیں، وہاں جا کر حقیقت منکشف ہوتی کہ ہم نے تو پتھر کھائے ہیں۔

ہر چیز کی ایک شکل وصورت ہے، ایک اس کی حقیقت ہے۔ آپ تو سوال کرتے ہوئے سیدھے بارگاہِ الٰہی میں چلے جاتے ہیں، ذرا نیچے رہیں، اپنے اردگرد کی چیزوں کی حقیقت پہلے پائیں، اپنی حقیقت پہلے تلاش کریں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ الکریم نے فرمایا تھا جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا، اپنی ذات کو، اپنے نفس کو، اپنے وجود، اپنی ضروریات، ان کی حقیقت کو جو پا گیا اس نے اپنے پروردگار کو پہچان لیا۔ تو یہ حقیقتیں اپنے آپ میں، اپنے اردگرد تلاش کریں، پھر آپ کو عظمتِ باری کا احساس ہوتا ہے اور وہ بھی اپنی حیثیت کے مطابق ہوگا۔ اس طرح کا جیسی اس کی شان ہے وہ ہمارے وہم وگمان سے وراالورا ہے۔ ہر ایک کو جو ادراک ہوتا ہے وہ

اس کی اپنی حیثیت کے مطابق ہوتا ہے۔ ظاہراً جو عمل بھی کیا جاتا ہے شرعاً وہ ادا ہو جاتا ہے، ایک بندے نے وضو کیا، باقی اس کی نیت کیا تھی، دل میں کڑھتا رہا، یہ مصیبت پڑ گئی ہے لیکن شرعاً اس کا وضو ہو گیا۔ نماز ادا کی دل میں کڑھتا رہا یا دل میں کہیں اور سوچتا رہا اور باتیں کرتا رہا شرعاً اس کی نماز ادا ہو گئی۔ اب اس کی حقیقت کیا ہے؟ یہ جب آنکھ بند ہو گی تب آنکھ کھلے گی، پھر وہ حقیقتوں تک پہنچے گی کہ میں نے جو نیکی کی اُس کی حقیقت کیا ہے اور جو جرم کیا وہ میں نے معمولی سمجھ کر کیا تھا وہ کتنا بڑا تھا۔ اس کی حقیقت کیا ہے؟ مرنے کے بعد پتا چلے گا لیکن اگر کوئی مجاہدہ کرتا ہے، ان برکاتِ رسالت پناہی کو پانے کی کوشش کرتا ہے جنہوں نے اس کلیجی کا پتھر ہونا دکھا دیا تھا۔ یہ برکاتِ نبوت ہے، جس سے اعمال کی حقیقت کا ادراک ہونے لگتا ہے کہ میں جو نیکی کر رہا ہوں اس میں سیاہی ہے۔ منافقت آ گئی یا بددلی آ گئی ہے تو کیا ہوا ہے؟ لہٰذا چیزوں کی حقیقت کو پہلے پایا جائے، اگر اللہ توفیق دے تو پھر جا کر اپنی حیثیت کے مطابق عظمتِ باری کا ادراک ہوتا ہے۔

سوال: براہِ کرم مندرجہ ذیل کی وضاحت فرما دیں، روحانی بیعت کراتے وقت آپ ساتھی کو حضور ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بعد حضرت علیؓ سے ملاتے ہیں، درمیان میں حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمانؓ سے نہیں ملاتے؟

جواب: اس پر اعتراض حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے تو کبھی نہیں کیا، آپ کو کیا اعتراض ہے؟ ہم اس لیے ایسا کرتے ہیں کہ ہمارے مشائخ نے ہمیں ایسا ہی سکھایا ہے اور میں ربع صدی اپنے شیخ کے ساتھ رہا ہوں تو میں نے یہ سوال نہیں پوچھا۔ آپ کو کیوں ضرورت پیش آئی؟ اس لیے کہ آپ کام نہیں کرتے صرف سوال کرتے ہیں، آپ محنت نہیں کرتے صرف باتیں کرتے ہیں اور باتیں بناتے ہیں، میرے خیال میں اگلے دن یہ بیان کر چکا ہوں، اگر آپ یہیں تھے تو آپ کو یاد ہونا چاہیے۔

اگلے ہی دن اس پہ بات ہوئی تھی کہ جو برکاتِ نبوت نبی کریم ﷺ سے جاری ہوئیں، وہ ساری کی ساری ابوبکر صدیقؓ نے حاصل کیں بلکہ حضور ﷺ کی حدیث موجود ہے کہ میرے سینے میں جو برکات تھیں وہ میں نے ابوبکر صدیقؓ کے سینے میں انڈیل دیں۔ یہ ارشادِ نبوی ﷺ اور کسی کے بارے میں نہیں ہے۔ جو برکات سیدنا ابوبکر صدیقؓ سے آگے چلیں، وہ کامل ساری کی ساری آگے فاروق اعظمؓ کو نصیب ہوئیں، جو فاروق اعظمؓ کو نصیب ہوئیں وہ ساری کی ساری حضرت عثمانؓ کو نصیب ہوئیں۔ حضرت عثمانؓ سے آگے چلیں ساری کی ساری حضرت علیؓ کو نصیب ہوئیں۔ حضرت علیؓ سے آگے کوئی ہستی ایسی نہیں ہے، حسنین کریمین ہیں صحابہ کرامؓ ہیں لیکن کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جو من وعن وہ ساری برکات وصول کریں، کسی نے کوئی پہلو وصول کیا کسی نے کوئی پہلو وصول کیا۔ اس لیے سلاسلِ تصوف حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم سے بن گئے، حضرت عثمانؓ سے کوئی نہیں بنا حضرت عمرؓ سے کوئی نہیں بنا۔ اس لیے کہ سارا کا سارا مال، ساری امانت آگے پہنچ گئی۔ آگے جہاں تقسیم ہونا شروع ہوئی وہ منڈی بن گئی۔ تھوک کا مال آیا ایک کے پاس اس نے دوسرے کو تھوک دے دیا، اس نے تیسرے کو تھوک دے دیا، تھوک جب چوتھی جگہ پہنچا تو وہاں عوام الناس پبلک کے لیے کھل گیا تو وہ منڈی بن گئی۔ اب وہ جتنے لوگ وہاں سے سودا خریدیں گے، کیا وہ تھوک فروشوں کا نام لیں گے یا جہاں جس منڈی کا نام لے رہے ہیں اس کا نام لیں گے؟ یہ حقیقت ہے سلاسلِ تصوف کی، یہ سارے حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم تک پہنچتے ہیں۔

لیکن صدیق اکبرؓ کی کچھ اضافی خصوصیات ہیں جن میں وہ منفرد ہیں، جو آگے تقسیم نہیں ہو سکیں جو ناقابل تقسیم تھیں۔ آپ کی سمجھ میں باقی باتیں تو نہیں آئیں گی، آپ نے تو اخباروں سے رسالوں سے سوال ڈھونڈ کر سوال تھونپ دینے ہیں۔ کرنا کرانا کچھ نہیں، بندہ کرے تو پھر پوچھنے کی فکر نہیں ہوتی۔ جب بندہ راستہ چل پڑتا ہے، نشاندہی ہو جاتی ہے۔ ایک بندہ آگے جا بھی رہا ہوتا ہے، ایک میرے

پیچھے چلے پھر اسے دائیں بائیں پوچھنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ میں نے کہاں جانا ہے، کون سا راستہ جاتا ہے؟ آپ کے پاس شیخ ہے، الحمدللہ! اور وہ آپ کو راستہ بھی دکھا رہا ہے تو یہ رسالوں سے پڑھ کر پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس لیے کہ یکسوئی سے آپ اس کے پیچھے چل نہیں رہے۔ اپنے اندر ٹٹولیں تو آپ یکسوئی سے اور دیانتداری سے نہیں چل رہے، پھر جو کوئی گزرتا ہے پاس سے جنہیں کچھ پتا نہیں ان کی باتیں سن کر آپ سوال کر دیتے ہیں۔

غارِ ثور کی تین راتیں جو ابوبکر صدیقؓ کو نصیب ہوئیں کوئی شریک ہے اس میں؟ اثنائے سفرِ ہجرت ابوبکر صدیقؓ نے حضور ﷺ کو کندھوں پر اُٹھایا اور پہاڑی پر لے کے آئے۔ علامہ باذل ایرانی شیعہ بہت بڑا عالم تھا اس نے فارسی میں منظوم تاریخ لکھی ہے ''حملہ حیدری''۔ بڑی دیانت کا دور تھا، بڑے مزے کی، بڑی دیانت سے لکھی ہے اس نے، پھر وہ نایاب ہوگئی اس کے شعر بدل دیئے گئے۔ بعد میں اسی طرح کے شعر بنا کے داخل کر دیئے گئے لیکن حضرتؒ کے پاس حملہ حیدری کا اصلی نسخہ تھا۔ وہ اب دارالعرفان کی لائبریری میں موجود ہے۔ وہ ہجرت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

چوں رفتند چندیں بداماں دشت
قدوم فلک سایہ مجروح گشت

کہ جب آپ ﷺ نے جنگل کا تھوڑا سا سفر کیا اور آپ ﷺ پہاڑ پر چل کر گئے تو آپ ﷺ کے قدم مبارک زخمی ہو گئے۔

ابوبکرؓ بہ دوشش گرفت
ولے ایں حدیث است جائے شگفت

اس وقت ابوبکر صدیقؓ نے آپ ﷺ کو کندھوں پر اُٹھا لیا لیکن بہت حیرت۔ ایں حدیث است جائے شگفت، یہ تو پریشان کر دینے والی بات ہے، اتنی حیرت انگیز بات ہے۔

کہ درکس چناں قوت آمد پدید
کہ بارِ نبوت تواند کشید

کسی میں اتنی طاقت آگئی کہ وہ نبوت کا بوجھ اُٹھا کر پہاڑ پر چڑھ گیا۔ یہ بہت سی باتیں ایسی ہیں جن میں ابوبکر صدیقؓ کی انفرادیت ہے۔ اس لیے نسبت اویسیہ واحد نسبت ہے جو ابوبکر صدیقؓ سے چلتی ہے۔ لیکن میں آپ کے سوال سے خوش نہیں ہوں، مجھے پتا ہے آپ نے اِدھر اُدھر سے الفاظ اکٹھے کر کے سوال لکھ دیا۔ آپ ذکر کرتے ہوتے اگر، تو آپ ان چیزوں کا گواہ بننے کی کوشش کرتے سوال نہ کرتے۔ آپ چاہتے کہ میں بھی وہاں پہنچوں، مجھے بھی یہ نصیب ہو، میں بھی یہ دیکھوں۔ تو بہر حال ہماری تو ڈیوٹی ہے ہم نے اپنی ڈیوٹی کرنی ہے، آپ پہ احسان نہیں کر رہے، آپ کے اپنے اپنے نصیب۔ کوئی برکات لے جائے گا، کوئی ایسا بھی ہوگا جو کچھ اعتراضات لے جائے گا، یہ اپنے اپنے نصیب کی بات ہے۔ اس میں نہ میرا دخل ہے نہ آپ کا۔

سوال: مراقبۂ روضہ اطہر میں جالی کے باہر خیال کرنا چاہیے یا جالی کے اندر؟

جواب: میرے بھائی جس کی روح وہاں پہنچتی ہے اُسے سمجھ آجاتی ہے، اور جس کی روح پہنچتی نہیں سوال کرنے سے کیا فائدہ؟ جسے فنافی الرسول نصیب ہوتا ہے اُسے پتا چل جاتا ہے کہ کیا ہے اور جسے نصیب ہی نہیں ہوتا اُسے جواب دینے کی کیا ضرورت ہے؟ اللہ اللہ، دراصل یہ کام کرنے کا ہے، باتوں سے مراقبات نہیں ہوتے، باتوں سے کیفیات نہیں ملتیں۔ یہ کرنے سے ملتی ہیں۔ علم ظاہر بغیر سوال کرنے کے نہیں آتا، وہاں کتابیں پڑھنا ہوتی ہیں۔ مسائل کی تعریف پڑھنا ہوتی ہے۔ استاد کی تقریر سننا ہوتی ہے، کہیں سے سمجھ آتی ہے کہیں سے نہیں آتی وہاں سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ یہ بات سمجھا دی جائے۔

کیفیاتِ باطنی سوالوں کی محتاج نہیں ہوتی۔ ایک کیفیت ہے۔ آپ کو کوئی تھپڑ مار دے تو آپ کو کوئی کتاب پڑھنا پڑتی ہے کہ غصہ کیسے آتا ہے؟ غصہ ایک کیفیت ہے ناں، کسی نے آپ کو تھپڑ جڑ دیا

تو آپ کوئی کتاب کھولتے ہیں کہ کیسے غصہ آتا ہے؟ وہ کیفیت خود بخود آجاتی ہے۔ آپ کو کوئی انعام ملتا ہے تو کسی سے پوچھتے ہیں کہ خوشی کیسی ہوتی ہے؟ خود بخود ہو جاتی ہے۔ یہ بھی محنت کرو تو پتا لگ جائے گا کیا ہوتا ہے، باتیں کرتے رہو تو کرتے رہو، جہاں بیٹھے ہو بیٹھے رہو گے۔ باتیں ہوتی رہیں گی، باتوں سے کیفیات تو نہیں آتیں۔ الحمدللہ! جب ہم لطائف کیا کرتے تھے تو ایسے محسوس ہوتا تھا یہ مقامات لطائف کے جو ہیں ان میں کسی نے سلاخیں گاڑ دی ہیں، سانس لیتے ہوئے درد ہوتا تھا اور آگے جھک کر چیز نہیں اُٹھائی جاتی تھی۔ ایسے پتا چلتا تھا کہ سینے میں سلاخیں گڑی ہیں، درد کرتی تھیں۔ آج کل کوئی ایسا کرے تو ہسپتال چلا جائے، آج کل تو مجھے میل آتی ہے کہ جی وہ لطائف کرتے وقت مجھ پر بوجھ پڑتا ہے، ذرا سی کوئی انوارات کی جھلک پڑی تو تھوڑا سا بوجھ محسوس ہوا۔ میں بتاتا ہوں کہ ڈاکٹر کے پاس جاؤ۔ یہ تو کوئی کرے تو اسے پتا چلے۔ الحمدللہ! ہم نے سالوں کے حساب سے لطائف کیے ہیں اور میرے ساتھ جتنے لوگ آتے تھے ایسا تجربہ بھی ہوا کہ ایک بندہ آیا ایک ہفتہ حضرت جی کے پاس ٹھہرا فنا بقا، فنا فی الرسول روحانی بیعت لے کر چلا گیا۔ ہم ہیں کہ سال ڈیڑھ سے پڑے ہیں لطائف کر رہے ہیں۔ لیکن الحمدللہ! کبھی رائی برابر بھی یہ خیال نہیں آیا کہ یہ کر کے چلا گیا اور میں کیوں پیچھے ہوں؟ ان کا اپنا نصیب ہمارا اپنا نصیب۔ ان کی اپنی محنت، یہ تو اللہ کا شکر ہے اس کا نام لے رہے ہیں۔

ایک بابا جی ہوتے تھے بوڑھے آدمی تھے، دوست محمد نام تھا ان کا، بیٹھے لطائف کرتے تھے۔ بابا جی کورے ان پڑھ تھے اور ٹھیٹھ پنجابی پرانے زمانے کی بولا کرتے تھے، نئی پنجابی بھی نہیں آتی تھی، بہت غریب آدمی تھے۔ ایک گاؤں کے باہر ایک ڈیرہ تھا، وہ بھی کسی ملک کا ڈیرہ تھا اس نے وہاں ایک کمرہ دیا ہوا تھا کچا سا رہنے کے لیے، میاں بیوی وہاں رہتے تھے تو اس نے بھی اس لیے دیا ہوا تھا کہ بوڑھے آدمی ہیں رات کو جاگتے رہتے ہیں، کھانستے رہتے ہیں، کوئی باتیں کرتے ہیں تو ایک قسم کی چوکیداری بنی رہتی ہے۔ وہاں کی دشمنیاں بڑی سخت ہوتی ہیں۔ وہاں سانپ ہوتے تھے گرمیوں میں، تو ان کی جوتی چمڑے کی وردیوں کی بنی ہوتی تھی۔ پاؤں بھی ننگے، پنڈلیاں بھی ننگی، گھٹنوں سے ذرا نیچے چادر ہوتی تھی تو وہ پاؤں پر پرانے کپڑے لپیٹ کر آیا کرتے تھے کہ یہاں بہت سانپ ہیں۔ جراب نصیب نہیں تھی انہیں۔ ہمارے ساتھ لطائف کرتے تھے۔ ان کے مراقبات ہو گئے۔ فنا فی الرسول بھی ہو گئے، فنا بقا بھی ہو گئے، انہیں مشاہدات بھی ہو گئے بہت اچھے مشاہدات تھے ان کے۔ سردیاں آگئیں تو میں نے حضرت جی سے عرض کی کہ میں اکیلا لطائف کرتا رہتا ہوں، بابا جی کو فنا بقا نصیب ہو گئی ہے تو یہاں یہ فارغ ہیں۔ دو مہینے تین مہینے کے لیے انہیں میرے ساتھ بھیج دیں یہ ذکر کراتے رہیں گے تو اچھا ہو جائے گا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ ایک عام سادہ سا آدمی ہے غریب سا، تمہارا ہم سبق ہے تو جو ذکر کراتا ہے اسے تو شیخ کا درجہ دینا پڑتا ہے، وہ ادب کرنا پڑتا ہے اس کا، تو تم اس کا ادب کر سکو گے؟ میں نے کہا جی بالکل، میں اسے آپ کا نائب اور آپ کا فرستادہ سمجھوں گا، وہی احترام کروں گا جو کرنا چاہیے۔ فرمایا: اسے لے جاؤ۔ کوئی رائی برابر الحمدللہ! دل میں خیال نہیں آیا کہ یہ فقیر سا، بوڑھا سا غریب سا، ان پڑھ سا، جاہل سا، اسے کیوں ہو گئے مجھے کیوں نہیں ہوئے؟ میں اپنی محنت کر رہا ہوں میری باری آئے گی مجھے بھی ہو جائیں گے بلکہ ہو سکے تو اس سے بھی میں اپنے کام میں مدد لے لوں تو بہت اچھی بات ہے۔

اب وہ محنت تو آپ کرتے نہیں۔ سوال وہ کرتے ہیں جو سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو اپنے شیخ سے کرنے چاہئیں۔ آدمی سر سائی اُٹھا نہیں سکتا، پوچھتا ہے پانچ من کتنے ہوتے ہیں۔ تمہیں کیا پانچ سے، جب پانچ من کی نوبت آئے گی پھر دیکھیں گے۔ تو یہ کام کرنے کا ہے محض پوچھنے کا نہیں، اور میں جواب دے دیتا ہوں اس لیے کہ آپ نے پوچھ ہی لیا تو چلو کچھ نہ کچھ بتا دوں۔ ایسے سوالوں کے جواب

دینے ضروری نہیں ہیں صوفیوں کو، جو سلسلے میں نہ ہوں وہ پوچھیں الگ بات ہے۔ جو سلسلے میں ہیں اور کام کر رہے ہیں اُن کو ان مقامات تک پہنچنا چاہیے، جھانکنا چاہیے، اسے حاصل کر کے دیکھنا چاہیے، جو حاصل نہیں کر سکتے بحث کرنے کا کیا فائدہ؟ آپ ایک راہ پہ چل نکلے، اس راہ کی منازل کے بارے پوچھیے نہیں، جا کر دیکھئے کہ یہ گاؤں بھی اس رستے پہ آتا ہے، اس سڑک پر یہ شہر بھی آتا ہے۔ آپ کو چلنا ہے آپ چلئے تو ایک ایک شہر ایک ایک قریہ آپ کے سامنے آتا جائے گا۔ اس راہ پر کون کون سی آبادیاں ہیں، جسے جانا ہوتا ہے وہ تو چل پڑتا ہے۔ ہر چیز اپنے اپنے وقت پر سامنے آتی رہتی ہے۔ اب ایک شخص ایک جگہ کھڑا رہے اور پوچھتا رہے کہ آگے کون سا شہر ہے، پھر اس کے آگے کون سا شہر ہے پھر اس کے آگے کون سا ہے پھر اس سے آگے کون سا ہے۔ پھر پوچھتے رہو اس سے تو آپ وہاں ان شہروں میں نہیں پہنچتے۔ تو اللہ پاک ہمت دے ہمت کریں، وقت نکالیں، محنت کریں اللہ کی رحمت سے اس کے کرم کے طلبگار رہیں۔ اللہ نے یہ نعمتیں بندوں کے لیے بنائی ہیں اور حاصل کرنے کی یہی نعمتیں ہیں، یہ حقائق ہیں، کیفیات ہیں۔ زبانی باتیں جو ہیں ان سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ بہرحال شریعت پر عمل کسی بھی نیت سے کرے، عمل ہر حال اچھا ہے۔ اگر منافقت سے بھی کرتا رہے تو شاید اللہ اس عمل کے طفیل اس کی منافقت دُور کر دے اور اسے خلوص عطا کر دے۔ عمل ضائع نہیں جاتا، کرنا چاہیے اور حقیقت کو جاننا ایک دوسری شے ہے، اس کے لیے اگر بندہ ارادہ کر لے تو پھر اس پہ چل پڑے، کیونکہ یہ چیزیں پانے کی ہیں پوچھنے کی نہیں ہیں۔ ایک ایک چیز، ایک ایک قریہ اس راہ میں ہے لیکن ہم نے کچھ نہیں پوچھا۔ اللہ نے ہمیں بہت سی چیزیں عطا کی ہیں، سمجھ آتی ہے یا نہیں۔ اب کوئی پوچھ کر سن لے گا تو اسے کیا ملے گا، جا کر دیکھے گا تو اسے پتا چلے گا۔

کچھ لوگ آئے ایک ہفتے میں فنا بقا حاصل کر کے چلے گئے۔ لیکن شاید وہ ان گلیوں کی ہوا بھی نہ پا سکے جن منازل کی اللہ نے ہمیں توفیق بخشی۔ اگر ہم نے زیادہ مجاہدہ کیا، مجاہدہ تو جو کچھ اللہ نے دیا اس کے مقابلے میں تو خشخاش کا دانہ بھی نہیں۔ اگر ہم نے برسوں لطائف کیے تو اس کی کوئی حیثیت نہیں، جو کچھ اللہ نے دیا اللہ کو یہی منظور تھا۔ بنیاد مضبوط بنتی رہی تو عمارت بہت بڑی بن گئی۔ ہر ایک کو اپنے حال پہ متوجہ رہنا چاہیے، دوسرا کیا کر رہا ہے؟ اس کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے، وہ جانے اس کا رب جانے، اس کا کیف جانے اس کے طریقے جانیں۔ اپنی فکر کرنی چاہیے کہ حیاتِ مستعار میں کیا پا سکا ہوں، کہاں تک جا سکا ہوں تو اللہ کریم عطا کرنے والے ہیں۔ لغزشیں بھی ہوتی ہیں، راستے میں گڑھے بھی ہوتے ہیں، بندہ گر بھی جاتا ہے، خطائیں بھی ہو جاتی ہیں، لیکن قلب میں خلوص ہو تو پھر توبہ کی توفیق ہو جاتی ہے اور پھر معافی مل جاتی ہے، پھر دستِ قدرت بندے کو گرنے سے تھام لیتا ہے، پھر آگے روانہ کر دیتا ہے۔ بات خلوص کی ہو، پھر انسان انسان ہی رہتا ہے۔ اللہ کریم کا معاملہ اپنا ہے، لوگوں کا معاملہ اپنا ہے۔ ہر بندہ جج ہے دوسرے کے لیے، ہر بندہ دوسرے کے فیصلے کرتا رہتا ہے، اس نے یہ کیا یہ غلط ہے، اس نے وہ کیا وہ غلط ہے۔ بھئی تم نے اس کا حساب دینا ہے یا تم نے اپنا حساب دینا ہے؟ اپنے حساب کی فکر کوئی نہیں کرتا دوسروں پر چیک لگا ہوا ہوتا ہے، اس نے یہ کیا یہ بھی غلط ہے، یہ کیا یہ بھی غلط ہے۔

اب یہ سوال ہم بھی حضرت جیؒ سے کر سکتے تھے، ربع صدی آپؒ کی خدمت میں رہے ہم نے تو سوال نہیں کیا۔ لاہور کے ایک ساتھی تھے پچھلے دنوں فوت ہو گئے، اللہ ان پر رحم فرمائے، بخشش کرے۔ تو یہاں بیٹھا میں ذکر کرا رہا تھا اسی مسجد میں، ساتھی بھی بیٹھے تھے، میرے ساتھ ایک بندہ اور بھی وہاں حجرے میں بیٹھا تھا۔ دوائر ثلاثہ جب کرائے گئے، پہلا اصل دائرہ محبت، دوسرے میں اصل اصل، تیسرے میں اصل اصل اصل تین مرتبہ کہا تو جب ذکر ختم ہوا تو مجھے کہنے لگے کہ یہ آپ اصل اصل دو بار تین بار کیوں کہتے ہیں؟ میں نے کہا اس لیے کہ مجھے میرے شیخ نے ایسے ہی بتایا۔ اس کی وجہ کیا

ہے، میں نے وجہ نہیں پوچھی۔ میں نے اتباع کیا ہے۔آپ سے اتباع ہوتا ہے تو کرلیں،نہیں پسند تو نہ کریں۔ مجھے الحمدللہ! پچیس سال دن رات کی صحبت نصیب ہوئی، میں نے پچیس برسوں میں نہیں پوچھا، آپ ایک رات آکر ٹھہرے ہیں ایک رات میں پوچھ رہے ہیں،اس سے کیا نصیب ہوتا ہے وہ الگ بات ہے، جب آپ دیکھیں گے تو سمجھ آجائے گی۔ پچھلے دنوں ان کا وصال ہوا، میرے خیال میں آج تک پابندی سے لطائف بھی نہیں کرپاتے تھے کبھی کرلئے کبھی چھوڑ دیئے، پھر بھی اچھا ہے لگے رہے، اللہ اللہ کرتے رہے، اللہ ان پہ رحم فرمائے۔لیکن پھر وہ پوچھ پاچھ والے رہتے انہی بھول بھلیوں میں ہیں کہ یہ کیا ہے وہ کیا ہے۔ جنہوں نے سفر کرنا ہوتا ہے وہ اپنے سفر کی طرف دوڑ لگاتے ہیں، وہ راہیں طے کرتے ہیں۔ مسافر شب کو اُٹھتے ہیں کہ جانا دُور ہوتا ہے۔

یہ کام باتوں کا، مختلف اخبار رسالوں کا، وہ لوگ لکھتے ہیں جنہیں اس کا پتا ہی نہیں ہوتا۔ موٹی موٹی اصطلاحات اور آج کل تو Tweeter آ گیا Facebook آ گئی اور بہت سی Websites ہیں، ہر بندے نے اپنی ایک Website کھولی ہوئی ہے اور بحثیں چل رہی ہیں۔تو آج کل کے نوجوان کہیں سے کوئی لفظ اُٹھا کر وہ لے کر چل پڑے، یہ کیا ہے۔ بھئی کر کے دیکھو یہ کرنے کی چیزیں ہیں، برتنے کی چیزیں ہیں۔ یہ اللہ کریم کا احسان ہے کہ اللہ کریم نے اسی سلسلہ عالیہ میں اتنا دیا ہے کہ اتنی طلب آپ کی ہو نہیں سکتی آپ اتنا سوچ بھی نہیں سکتے، جتنا رب کریم نے دیا ہے۔ آپ چاہیں تو بھی اتنا آپ سوچ نہیں سکتے، پھر آپ کو اور کہیں کسی کی احتیاج نہیں لہٰذا محنت کرو اور حاصل کرو، اللہ کریم نصیب فرمائے۔ خشوع وخضوع سے یکسو ہو کر محنت کرو۔ بنیادی طور پر رزقِ حلال کی کوشش کرو، حرام کھا کر نیکی نہیں ہوتی۔ ارشادِ باری ہے: يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا (المؤمنون: 51) اللہ کریم نے انبیاؑ کو مخاطب کر کے یہ فرمایا۔ جب انبیاؑ مخاطب ہوتے ہیں تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ اتنا سخت اٹل ٹھوس قانون ہے کہ یہ انبیاء پہ بھی لاگو ہوتا ہے تو غیر نبی کی کیا جرأت کہ وہ کہاں جائے گا۔ جیسے یہ کہا جائے کہ یہ قانون صدر اور وزیر اعظم پر بھی لاگو ہوتا ہے تو پھر عوام کی بات کیا ہے، اس کو کیسے بچایا جاسکتا ہے۔ اس لیے انبیاءؑ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ حلال اور پاکیزہ رزق کھائیں۔ صرف حلال ہی نہیں طیب کی قید بھی لگائی، حلال کما کر اس میں ناپاک چیز نہ ملائیں طیب بھی رکھیں۔ حلال بھی ہو تو پھر پاکیزہ ہو، حرام تو پاکیزہ ہو نہیں سکتا تو اس کا مطلب ہے کہ حلال پر بھی پاکیزہ کی قید ہے۔ حضرتؒ کو لطائف، فنا بقا تک سالک المجذوبی تک جانے میں سولہ برس لگے تھے اور آپ سارا سارا دن لطائف کیا کرتے تھے، ساری ساری رات کیا کرتے تھے۔ غذا کے حلال اور پاک ہونے کی پابندی آپ ایسے کرتے تھے کہ کسی بے نماز عورت کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا بھی نہیں کھاتے تھے۔ احتیاط اتنی کرتے تھے۔

ایک دفعہ لنگر مخدوم جاتے ہوئے ایک پکی سڑک پر ہم بس سے اُتر کر جاتے رہے ہیں پیدل، اب تو پکی سڑکیں بن گئی ہیں پہلے کچی تھیں۔ ہم شروع شروع کے دنوں میں پچاس کی دہائی کے آخر میں ساٹھ کی دہائی کے شروع میں جاتے تھے۔ پکی سڑک بس سے اُتر کر درمیان میں ایک دو گاؤں آتے ہیں راستے میں، فرماتے ہیں میں دیر سے پہنچا، وہاں ساتھ پہلا گاؤں ہے وہاں پہنچا تو مغرب کی نماز ہو رہی تھی، مسجد میں چلا گیا نماز پڑھی۔ دیہاتیوں کی عادت ہوتی ہے دیکھ لیتے ہیں کوئی نیا بندہ آیا ہے مسافر ہے، پھر انہیں فکر ہوتی ہے اس کے کھانے کی اور اس کے رات گزارنے کی فکر، تو کسی نے روٹی دے دی کسی نے دال دے دی، کسی نے ساگ دے دیا، کسی نے اور چیز، تو اکٹھی کر کے مسافر کو کہتے ہیں یہ مہمان ہے اللہ کا، اسے کھانا دے دو۔ تو فرمایا جب نماز سے فارغ ہوئے تو کچھ بزرگ میری طرف متوجہ ہوئے کہ ہاں جی آپ مسافر ہیں آپ یہاں ٹھہریں، آپ کے کھانے کا انتظام کریں گے۔ تو فرماتے ہیں میں نے انہیں کہا کہ کوئی دال ساگ مل جائے میں کھالوں گا لیکن شرط ایک ہے کہ کھانا بے نماز

عورت کے ہاتھ کا پکا ہوا نہ ہو۔ فرماتے ہیں وہ کوئی گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تلاش کرنے کے بعد کہنے لگے کہ گاؤں میں کوئی ایسی عورت نہیں ہے جو پانچ وقت کی نمازی ہو، ایسا کھانا نہیں مل سکتا، اب آپ رات کیسے بسر کریں گے، ایک رات کھا ہی لو۔ فرمایا میں نہیں کھاؤں گا، کوئی پانچ وقت کا نمازی دودھ تو نکالتا ہوگا، مجھے ایک پیالہ دودھ کا لا دیں میری رات بسر ہو جائے گی۔ یہ سلیقہ ہے لطائف کرنے کا اور پرہیز کرنے کا۔

آپ کو تو موجیں ملی ہوئی ہیں، سارا دن سینما بھی دیکھتے ہیں۔ اب سینما تو ٹی وی پر بھی آ گیا اور ٹیلی فون موبائل میں بھی آ گیا اور آپ کے کمپیوٹر میں بھی آ گیا، لیپ ٹاپ میں بھی سینما آ گیا۔ سارا دن آپ سینما بھی دیکھتے ہیں، ہوٹلوں سے کھانے کھاتے ہیں، بازاروں میں گپیں لگاتے ہیں اور پانچ منٹ اللہ اللہ بھی کر لیتے ہیں اور اس پر چاہتے ہیں کہ عالم حیرت کی بات بتاؤ۔ ارے بھائی! بڑے سوداگر آ گئے ہیں، اپنا سرمایہ بھی دیکھیں اور جو چیز طلب کر رہے ہیں وہ بھی دیکھیں۔ پلے دھیلہ ہو اور کہتے ہیں یہ امر کتنے کی آئی ہے، جیب میں ٹکہ نہیں ہے کروڑوں کی بات کرتے ہو تو کیا کرتے ہو؟ سرمایہ پیدا کرو، جب آپ کے پاس سرمایہ ہوگا چیزیں خود بخود آ جائیں گی، جس کی جیب میں نقدی ہوتی ہے اُسے پوچھنے کی ضرورت نہیں پڑتی، خود بخود چیزیں آ جاتی ہیں۔ تو اس دور میں مجاہدہ اور بھی مشکل ہو گیا ہے۔ وہ دور پھر اچھا تھا ہمارا لڑکپن جوانی کا دور پھر اچھا تھا، لوگ نیک تھے صالح تھے اور جو نیک نہیں تھے وہ بھی بدکار نہیں تھے۔ اکثریت لوگوں کی بدکار نہیں تھی۔ چوری چکاری سے، جھوٹ بولنے سے، کسی کا مال لوٹنے سے لوگ ڈرتے تھے۔ بڑا پُر امن بڑا اچھا دور تھا۔ اب جوں جوں یہ نئی ایجاد آتی گئیں اور جوں جوں یہ نئے تماشے آتے گئے لوگوں کے اخلاقیات، کردار، ایمانیات عقائد تباہ ہوتے چلے گئے۔ اب جس عہد میں ہم بیٹھے ہیں یہ تو ہر طرف شیطان ہی ناچ رہا ہے، اب رمضان شریف ہے لڑکیاں بنی ہوئی اناؤنسر اور کمپیئر اور ہر لڑکی دلہن بنی ہوئی ہے۔ بناؤ سنگھار زیور جوتے کپڑے سے لے کر بالوں تک پورا میک اپ ایسا ہے جیسا دلہن کا ہوتا ہے۔ اب بیان کیا ہو رہا ہے کھلے منہ، بے پردہ، دوپٹہ سینے سے اس طرح الگ لٹکائے ہوئے، جی فلاں آیت کا ترجمہ یہ ہے اور فلاں مسئلہ یہ ہے اور فلاں وہ ہوگا۔ یہ عجیب دور ہے! اس طرح کی خواتین ہوتی تھیں وہ گانے گاتی تھیں اور ہمارے لڑکپن جوانی میں لوگ انہیں کنجریاں کہتے تھے۔ اب آپ کا دور آیا ہے تو وہ سٹار بن گئی ہیں، ہمارے زمانے میں وہ کنجریاں ہوتی تھیں۔ کنجری نام سے کوئی تھوڑی سی رکاوٹ رہتی تھی کہ یہ کنجر ہیں ان سے فاصلے پر رہنا چاہیے، اب ان سے ملنا باعث افتخار ہو گیا کہ یہ تو سٹار ہیں، ستارے تو سینے پہ سجانے چاہئیں۔ آپ اِس دور کے لوگ ہیں آپ باتیں پوچھتے ہیں عالم امر کی اور عالم حیرت کی، میاں اس دور سے نکلو، اپنے آپ کو اوپر اُٹھاؤ، مزہ تو جب ہے کہ اس دور میں اللہ اللہ کرتے جاؤ۔ مزہ تو جب ہے کہ اللہ نصیب کرے تو اس دور میں کیفیات لے کر جاؤ۔ اسی دور میں آپ کا دل اللہ کے ساتھ لگے، آپ کو محبت نبوی ﷺ کی چاشنی ملے، آپ کو پتا چلے زندگی کا مزہ جب ہے کہ آپ قرآن کھولیں حشر کی، قیامت کی، دوزخ کی بات ہو تو دوزخ حشر قیامت سامنے آئے۔ زندگی کا مزہ جب ہے کہ آپ جنت کے حالات قرآن میں بیان ہیں آپ پڑھ رہے ہوں اور جنت کو دیکھ رہے ہوں، پھر تو زندگی ہے ایمان اسی کو کہتے ہیں۔ پھر تو پتا چلتا ہے ایمان ہے یقین ہے، کچھ بھی نہیں ہے تو کیا باتیں کرتے ہو؟ کیا حاصل ہوگا؟ باتوں سے کیا حاصل ہوگا، باتیں باتیں، باتوں میں کیا رکھا ہے؟ صرف باتیں کرنے سے کچھ نہیں ہوتا، کھانے سے پیٹ بھرتا ہے، کھانے کے انواع واقسام گننے سے پیٹ نہیں بھرتا۔ اللہ پاک آپ کو توفیق عمل دے، عمل کر کے دیکھیں تب مزہ آتا ہے۔

بہت مزے کی بات ہے بڑا فرق ہوگا ان لوگوں میں جن کی آنکھ بند ہو گئی تو آخرت کو دیکھ کر حیرت سے آنکھیں پھٹی رہ جائیں گی

(بقیہ صفحہ نمبر 49 پر)

قسط نمبر 2

اجتماعِ لنگر مخدوم (1983ء)

حیاتِ جاوداں، جلد اوّل

ابوالاحمدین

یہ سمجھلو اچھے طریقے سے!

ازلی نبی۔حضورﷺ نے فرمایا میں اس وقت نبی تھا، آدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ (اوکما قال رسول اللہﷺ) جس وقت آدم علیہ السلام مٹی اور پانی میں پڑے ہوئے تھے، اس وقت بھی محمد رسول اللہﷺ نبی تھے۔

پھر میں نے دیکھا، تلاش کی، پڑتال کرنے کے بعد محدث ضیاء مقدسی اپنی کتاب ''حدیث مختار'' میں نقل کرتے ہیں۔ بَدِیْءُ الْخَلْقِ (او کما قال رسول اللہﷺ) حضور اکرمﷺ نے فرمایا، مخلوق کی پیدائش کا سبب ہی میں بنا۔ پیدائش میں اول، بعثت میں آخر، سب سے پہلے۔ اس واسطے تمام انبیاء علیہم السلام بھی آپﷺ کی امت میں داخل ہیں۔ اس واسطے تاج الدین سبکی نے، اس سے پہلے کتابوں میں پڑھا ہے دیکھا ہے، انہوں نے ایک رسالہ لکھا ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْہَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰہِدِیْنَ O

اس آیت کی تفسیر انہوں نے لکھی۔ تاج الدین سبکی کا فتاویٰ سبکی تلاش کرتا رہا جو مجھے مصر سے ملا۔ اس کی پہلی جلد میں انہوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ محمد رسول اللہﷺ ازل میں نبی تھے۔ اس کے بعد تمام نبی ان کے تابع تھے، انبیاء علیہم السلام تمام کے تمام۔ اس واسطے آپﷺ نے فرمایا: لَوْ کَانَ مُوْسٰی حَیًّا لَمَا وَسِعَہٗ اِلَّا اتِّبَاعِیْ

اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے، میری اطاعت کے بغیر ان کو بھی نجات نہ مل سکتی۔ یہ چیزیں، جس باطل عقیدہ کا ذکر گزرا، العیاذ باللہ، ثم العیاذ باللہ، کہ ایمان صفت بالذات روح کی بن جائے، نبوت بالذات صفت روح کی بن جائے، رسالت بالذات صفت روح کی بن جائے تو بدن کو کوئی چیز نہیں ملتی۔ پھر آج جو کچھ ہم پڑھ رہے ہیں:

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

یہ کلمہ ہم پڑھ رہے ہیں۔ تو جس وقت نبی کریمﷺ دنیا سے رخصت ہوئے، آپﷺ کا وجود مقدس نبوت سے خالی، رسالت سے خالی، تو یہ حکم جو ہم پڑھ رہے ہیں، پھر غیر رسول کا پڑھ رہے ہیں؟ (میز تھپتھپاتے ہوئے فرمایا) تو اس لئے ہم کہتے ہیں کہ برزخ میں بھی پیغمبرﷺ زندہ ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں۔ ان آنکھوں سے آدمی نہیں دیکھ سکتا۔ ہاں، مُردوں کے واسطے مُردہ، زندوں کے واسطے زندہ، اگر اس چیز کو تسلیم کرلوں۔

حتیٰ کہ نیلوی صاحب ہیں سرگودھا میں، انہوں نے اپنی ''ندائے حق'' میں صفحہ چالیس پر لکھا ہے ''یہ بدن انسان ہے ہی نہیں''۔

جسے ضرورت ہے، میں دکھا دیتا ہوں، یہاں پڑی ہوئی ہے۔ یہ بدن انسان ہی نہیں؟ گوشت پوست، ہڈی، رگ ریشہ، چمڑا، یہ ماس، یہ انسان ہی نہیں؟ کوئی پاگل آدمی ہے۔ ہم آدم علیہ السلام کی اولاد نہیں تو کیا ہم جنات کی اولاد ہیں؟ ہم کس کی اولاد ہیں؟ انسان نہیں؟ انسان کون ہے؟ روح ہے؟ پھر کوئی صحابی بن سکتا ہے؟ آپ ہی سے پوچھیں، جس نے

محمد رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھا وہ صحابی کیسے ہے؟ محمد رسول اللہ ﷺ کی زیارت باایمان زندگی میں، حیات کی قید، حیات میں نبی کریم ﷺ موجود ہوں۔ اگر ایمان ہو اور اس حالت میں اگر آپ ﷺ کی زیارت ہو تو صحابی ہے۔ اگر وہ نہیں دیکھ سکتا، اندھا ہے مثلاً، نابینا ہے، محمد رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو بھی صحابی ہے۔ خود ہو باایمان، بہ زندگی، حیات نبی کریم ﷺ میں زیارت کر لی، صحابی ہے۔ اگر یہ نہیں کر سکتا، آنکھیں نہیں ہیں، نبی کریم ﷺ نے اسے دیکھ لیا، صحابی ہے۔ تو جس وقت روح ہوا نبی، انسان ہوا روح، تو انسان ہی نبی ہوتا ہے، غیر انسان تو نبی بھی نہیں ہوتا۔ جن تو نبی نہیں بن سکتے۔ غیر انسان جب بدن بن گیا، انسان، بدن نہ رہا تو نبی کی زیارت! کیا روح کو کسی نے دیکھا ہے؟ روح کو دیکھا تو کسی نے نہیں، نہ کوئی صحابی اور نہ کوئی تابعی۔ بلکہ اس چیز کو دیکھا جس میں نبی چھپا ہوا تھا۔ تُو نے ماں کی زیارت کوئی نہ کی، باپ کی نہ کی۔ زیارت اس چیز کی کی جس میں ماں چھپی ہوئی تھی، باپ جس میں چھپا ہوا تھا۔ نہ کوئی صحابی، صحابی اور نہ آگے صحابہ کے دیکھنے والے تابعی، سارے ختم ہو گئے۔

اب آ گیا ''جسم مثالی''۔ بڑی لے دے اس پر ہوئی۔ جسم مثالی کے تسلیم کرنے کے ساتھ سب سے پہلے کیا چیز لازم آتی ہے؟ اُن سے پوچھیں، اس کا مادّہ کیا ہے؟ تمام کائنات، جن، شیاطین، ملائکہ کو چھوڑ کر تمام کائنات مٹی اور پانی سے بنی۔ ملائکہ نور سے پیدا ہوئے، مسلم شریف میں موجود ہے۔ شیطان اور جن آگ کی پیدائش ہیں۔ روح کے متعلق سوال کرنے کے باوجود مادہ نہیں بتایا گیا، کس سے پیدا ہوا؟ یہ نہیں بتایا گیا لیکن جسم مثالی کا ہمیں پتا نہیں یہ کیا شے ہے اور کس سے پیدا ہوا؟ یہ الگ بات ہے۔ یہ میں نے جو اعتراض کی صورت میں سوال کئے ہیں، یہ میں نے کتاب میں درج کر دیئے ہیں۔ اعتراض میں نے کئے ہیں۔ کیا یہ جسم مثالی، روح کے بدن میں آنے سے پہلے زندہ تھا یا مردہ تھا؟ مردہ تھا تو کیا دفن تھا؟ زندہ ہے تو وہ روح تھا؟ بدن میں روح داخل کرنے کے بعد دوسرا روح داخل کرنے کی ضرورت کیا تھی؟ یہ باتیں تمہاری سمجھ سے باہر ہیں۔

حضرت جیؒ نے عام لوگوں کی ذہنی سطح کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک باطل گروہ کے عقیدہ کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا:

یہ مذہب کہتا ہے کہ سنی جو نیکی کرتے ہیں وہ ساری کی ساری اُن کو ملیں گی اور اُن کی جتنی برائیاں ہیں، جتنے گناہ ہیں وہ سنیوں کو ملیں گے اور ان گناہوں کی وجہ سے وہ سارے دوزخ میں جائیں گے۔ یہ جنتی سنیوں کی نیکیوں کی وجہ سے اور سنی سارے دوزخی اُن کے گناہوں کی وجہ سے۔

جسم مثالی کا نظریہ پیش کرنے والوں نے بھی کہا، کرے کوئی اور بھرے کوئی۔ نمازیں یہ پڑھے، قرآن یہ پڑھے، روزے یہ رکھے، حج یہ کرے، پھر کیا؟ شہادتیں یہ حاصل کرے، تلوار یہ چلائے، مرے یہ اور شہید بن جائے جسم مثالی۔ جس نے اُس باطل مذہب کی بنیاد رکھی اس نے اعمال پر ضرب لگائی کہ وہ گناہ خوب کریں اور نیکی چھوڑ دیں، سنیوں کو یقین ہو جائے کہ ہماری تمام کی تمام نیکی اُن کو ملے گی تو کیوں نیکی کریں۔ اُن کو جب پتا ہے کہ گناہ جتنے ہیں، برائیاں جتنی ہیں تمام سنیوں کو ملیں گی تو خوب گناہ کیوں نہ کریں گے؟ یہ گناہ کرتے رہیں، وہ نیکیاں نہ کریں۔ جسم مثالی والے نے ایسا ہی کیا کہ نیکی دنیا سے اٹھ جائے، گناہ خوب کریں کیونکہ عذاب تو جسم مثالی کو ہوگا، ہمیں کیا! حقیقتاً یہ مسلمانوں سے عمل چھڑانے کی کوشش ہے۔ یہ کبھی سنا ہے؟

یہ جواب مجھے دیا گیا، جواب یہ دیا گیا کہ زنا جو کرتے ہیں، وہ کون کرتا ہے؟ لیکن پیٹھ پر کوڑے کیوں لگتے ہیں؟ جواب سنا ہے! یہ جواب دیا گیا کہ جسم مثالی کا معاملہ بھی یہی ہے۔ میں نے کہا ارے پاگل! یہ کوئی الگ بدن ہے؟ مادہ منویہ يَخْرُجُ مِنۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ہماری کمر سے نکل کر آتا ہے۔ یہ تمہیں کس نے بتایا ہے، یہ کوئی الگ چیز ہے؟ جسم مثالی تم الگ جسم بناتے ہو، یہ تو اسی بدن کا عضو ہے۔

اچھا! تو محمود غزنوی کی دو چار باتیں میں نے یہاں اس لئے بیان کر دی ہیں تا کہ آپ کو پتا چل جائے، سمجھ آ جائے۔ اگر محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے قائل نہ ہوں، جو شخص منکر ہے وہ حضور ﷺ کی رسالت کا

قائل نہیں ہوسکتا۔ عبادت کون سی صورت کے ساتھ ہے۔ نبی کو اپنی نبوت کا علم نہ رہا، رسول کو اپنی رسالت کا علم نہ رہا، جس وقت یہ نہ رہا، نہ نبوت رہی نہ رسالت رہی، کوئی چیز نہ رہی۔ اس واسطے پھر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھنا، اس سے مسلمان کوئی نہ بنے گا، کافر رہے گا۔ العیاذ باللہ! یہ ایسا برا مذہب نکالا گیا کہ انبیاء علیہم السلام کی توہین ہے۔

یاد رکھیں! ہمارا اہل سنت والجماعت کا یہ اجماعی مسئلہ ہے۔ متواترات میں سے ہے۔ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں، برزخ میں، قبر کا معنی ہے برزخ، برزخ میں زندہ ہیں۔ دنیا سے چلے گئے۔ دنیا کی مثال دی ہے کہ پُل سے گزر کر دوسرے علاقے میں چلے گئے۔ اَلْمُؤْمِنُوْنَ لَا یَمُوْتُوْنَ بَلْ یَنْتَقِلُوْنَ مِنَ الدَّارِ اِلَی الدَّارِ۔ مومن مرتے نہیں ہیں بلکہ ایک حویلی سے منتقل ہو کر دوسری حویلی میں چلے جاتے ہیں، تو نبی کی شان تو بہت بلند ہے۔

پھر جسم مثالی کو تسلیم کرنا تناسخ کا قائل ہونا ہے۔ ہندوؤں سے یہ مذہب لیا گیا۔ ہم صورِ مثالی کے قائل ہیں۔ مثالی صورتیں ہیں۔ ادھر ایسے ساتھی کافی تعداد میں یہاں بیٹھے ہیں۔ عرب کے ساتھی، وہاں مجھے دیکھتے ہیں۔ جس وقت ذکر کرتے ہیں میں ان کے ساتھ ہوتا ہوں، بتاتے ہیں۔ اُنہی سے پوچھ لیں، استاد ساتھ ہوتے ہیں۔ انگلینڈ والوں سے پوچھو، کہتے ہیں ہمارے ساتھ ہوتے ہیں۔ جرمنی والوں سے پوچھو، کہتے ہیں، یہاں ہوتے ہیں۔ فرانس والے کہتے ہیں، یہاں ہوتے ہیں۔ صورت مثالی شے دیدنی ہوتی ہے، بودنی نہیں، دیکھنے میں آتی ہے۔ اس کا وجود کوئی نہیں ہوتا۔ باتیں کرتا ہے لیکن اس کی بیوی کوئی نہیں، بچے کوئی نہیں، مکان کوئی نہیں، گھر کوئی نہیں، جائیداد کوئی نہیں۔ شے دیدنی ہوتی ہے بودنی نہیں ہوتی۔ اس کے ہم قائل ہیں۔ جسم مثالی جس کو ثواب ملے، عذاب ہو، باتیں کرے، سارے سوال و جواب ہوں، روح سے اس کا تعلق ہو جائے، روح کا دوسرے بدن سے تعلق ہو جانا۔ اسی کو تناسخ کہتے ہیں۔

اس کا جواب دیا گیا، تناسخ اس چیز کو کہتے ہیں کہ دوسرے بدن میں روح داخل ہو اور وہی بدن دنیا میں آجائے۔ میں نے کہا نہیں یہ غلط ہے، تناسخ کہتے ہیں روح کو دوسرا بدن مل جائے۔ اب اس کے بعد وہ دوسرا بدن برزخ میں چلا جائے خواہ دنیا میں آجائے۔ تناسخ ہندوؤں کا مسلک ہے۔ ہندوؤں کا عقیدہ ہے۔ اسی کو اپنا لیا اور مان لیا، جس وقت روح کے لئے دوسرا بدن تسلیم کر لیا گیا۔ بدن کے تسلیم ہونے کے بعد وہ بدن خواہ برزخ میں چلا جائے خواہ دنیا میں آجائے، تناسخ اسی کو کہتے ہیں۔ یہی تناسخ ہے جو ہندوؤں کا وضع کردہ ہے۔ عقیدہ ان سے لیا گیا۔ یہ مسئلہ جسم مثالی کے عذاب ثواب کا، یہ شیعوں سے لیا گیا۔

یہ سمجھ لیں! ہمارا اہل سنت والجماعت کا یہ متفقہ عقیدہ ہے۔ انبیاء علیہم السلام زندگی میں جس طرح رسول ہیں، وفات کے بعد دنیا سے منتقل ہو کر برزخ میں جانے کے وقت بھی ویسے ہی رسول ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے۔ دنیا میں بدن بالذات مکلّف ہوتا ہے۔ عمل یہ کرتا ہے، روح اس میں پوشیدہ ہے۔ برزخ میں جا کر بالذات روح مکلّف ہو جاتا ہے، بدن اس کے تابع ہوتا ہے۔ کام وہاں جتنے ہیں وہ روح کرتی ہے۔ مکلّف میں اور تکلیف میں فرق ہے۔ ادھر بدن بھی نبی، بدن بھی رسول، روح بھی نبی، روح بھی رسول۔ برزخ میں بدن بھی نبی، بدن بھی رسول، روح بھی نبی، روح بھی رسول، آخرت میں جا کر، جنت میں وہاں پہنچ کر بھی، بدن بھی نبی، رسول، اسی طرح روح بھی نبی اور رسول۔ یہ ہمارا عقیدہ ہے۔

جو شخص یہ کہتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام وہاں زندہ نہیں، وہ حقیقتاً انکار کر رہا ہے نبوت اور رسالت کا کیونکہ وجود زندگی چاہتا ہے۔ جس وقت مر گیا کچھ بھی نہیں، نہ نبی رہا نہ رسول رہا، کوئی کچھ بھی نہیں۔

ایمان کس کو کہتے ہیں؟ ایمان کہتے ہیں تصدیقِ قلب، اقرار باللّسان۔ تصدیق باالقلب واقرار باللّسان، دل میں یقین ہو اور زبان پر اقرار ہو کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے، رسول برحق ہیں کتابیں برحق ہیں، ملائکہ برحق ہیں، جہان حادث ہے، تقدیر ٹھیک ہے، جنت دوزخ بھی موجود ہیں۔ یہ ہے ہمارا عقیدہ۔ عقیدہ تصدیقِ قلبی کو کہتے ہیں۔

اقرار باللسان احکام بجالانے کے واسطے۔ اگر ضروری ہے تو منہ سے کہے۔ جس وقت مرگیا وہ زندہ ہے ہی نہیں، تصدیقِ قلبی کس طرح کرے گا؟ نبی کو رسالت کا علم کس طرح ہوگا؟ نبوت کا علم کہاں سے آگیا؟ جو شخص انبیاء علیہم السلام کی حیات کا قائل نہیں، وہ منکرِ نبوت اور منکرِ رسالت ہے۔

محمود غزنوی نے جب اُن سے یہ بات پوچھی، اس کے بعد کیا لکھتے ہیں؟ اس وقت یہ عقیدہ رکھنے والا کہ انبیاء علیہم السلام ختم ہو گئے ہیں۔ دنیا سے گئے تو بس ختم ہو گئے ہیں۔ اس عقیدہ والے کو واجب القتل قرار دیا گیا۔ اَقْتُلَنَّہٗ۔ میں اس کو قتل کر دوں گا، یہ بات صحیح ہے۔

دوسرا واقعہ موجود ہے۔ سلاطین عثمانیہ حرمین شریفین کے جس وقت متکفل تھے۔ کوفہ کا وکیع بن جراح ایک عالم آیا۔ کوفہ کا رہنے والا، وکیع بن جراح، اس نے آکر مکہ مکرمہ میں تقریر کی۔ جس کو ''طبقات ابن سعد'' نے نقل کیا۔ ''طبقات ابنِ سعد'' اس وقت عالم اسلامی سے ختم ہو چکی تھی، یورپ میں طبع ہوئی۔ یورپ والے طبع کریں اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی پر حملے کیوں نہ ہوں۔ اس نے تقریر میں یہ بات کہی کہ نبی کریم ﷺ کو دیر سے دفن کیا گیا، تین گستاخانہ کلمات کہے، العیاذ باللہ۔ یہ بات خلیفۂ عثمانی تک پہنچی۔ وکیع بن جراح کوفے کا عالم آیا اور اس نے کہا یہ تقریر میں نے کی۔ اسی وقت مفتیٔ حرمین، قاضی القضا، چیف جسٹس جس کو کہتے ہیں، بادشاہ نے ان سے فتویٰ طلب کیا کیونکہ قانونِ اسلامی سے تو وہ واقف تھا۔ انہوں نے فوری فتویٰ دیا کہ اس کو سولی پر لٹکا کر قتل کر دیا جائے لیکن سفیان بن عیینہ بڑا فاضل ہوا، اس نے بادشاہ سے جا کر سفارش کی۔ سفارش کے بعد بادشاہ سزا پر عمل درآمد کرنے سے رک گیا۔ الگ ہونے کے بعد اس نے فوراً اسے کہا کہ تو مکہ سے نکل جا اور مدینے چلا جا۔ پہلی جلد ''نسیم الریاض، الشفاء بتعریف حقوقِ المصطفیٰ'' قاضی عیاض کی، ''نسیم الریاض'' شرح ہے، جس میں لکھا کہ اختلاف ہے۔ اختلاف اس بات میں کہ سفیان بن عیینہ نے کہا کہ قتل نہ کیا جائے۔ اس میں سرخی قائم کی کہ نبی ﷺ کی موت کا کہنے والا، وہ واجب القتل ہے اور کافر ہے یا مسلمان ہے؟ وہ صرف یہ کہتا تھا کہ قتل نہیں ہو سکتا۔ جس وقت سفارش کی۔ اس کے بعد لکھا ہے۔ ثُمَّ نَدِمَ۔ پھر پشیمان ہوا، میں نے کیوں معاف کیا! پھر تلاش کیا وہ کدھر گیا۔ وہ نکل چکا تھا۔ مدینے چلا گیا۔ پروانہ جاری کیا کہ اس کو فوری تلاش کیا جائے۔ اس کے بعد مدینہ کے گورنر کو حکم دیا کہ فلاں آدمی آرہا ہے جس وقت وہ آئے تو اسے رَجم کر دیا جائے، اسے پتھر مار مار کر مار ڈالا جائے۔ اس کے بعد سفیان بن عیینہ جس نے پہلے سفارش کی تھی اسی نے ایک آدمی کو رقعہ دے کر بھیجا کہ مدینہ نہ جاؤ، کوفے واپس چلے جاؤ۔

علماء کا اس پر کچھ اختلاف ہوا کہ آیا اس شخص کو کفر کی وجہ سے قتل کیا جا رہا تھا یا سزا ہی قتل تھی، اس مسئلے کو پہلے میں نقل کر چکا ہوں۔ لیکن یہ مسئلہ جس کی جستجو میں نے اس وجہ سے کی کہ حضرت ابوالحسن اشعریؒ پر جو بہتان تھا کہ وہ یہ بات کہتے ہیں، اس سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ پھر مجھے تلاش کرنی پڑیں تو ''درالمنتقا'' فتاویٰ ہے فقہ کا، اس میں لکھا ہے کہ امام ابوالحسن اشعریؒ پر بہتان اور افتراء ہے کہ انھوں نے یہ بات کہی کہ العیاذ باللہ! نبی دنیا سے رخصت ہونے کے بعد نبی حقیقی نہیں رہے۔ ایمان، رسالت اور نبوت ختم ہو چکی۔ یہ بہتان تراشی کی گئی۔ علامہ شامی نے تیسری جلد شامی میں نقل کیا، لیکن لیا انہوں نے بھی ''درالمنتقا'' سے ہے۔ انہوں نے نقل کیا کہ نہیں، وہ اس بات کے قائل تھے کہ ''هُوَ حَيٌّ فِي قَبْرِهٖ'' کہ اپنی قبر میں محمد رسول اللہ ﷺ زندہ ہیں۔

تو اس وجہ سے میں نے یہ مسئلہ بتا دیا کہ کل کوئی اٹھے اور جسمِ مثالی پیش کرے تو اس سے کہو، یہ عجیب ہے کہ گناہ کرے دادی اور چٹی پڑ جائے پوتوں کو۔ قصور کوئی کرے اور بھرے کوئی۔ میں تم سے پوچھتا ہوں کہ جب تک نبی دنیا پر مبعوث نہ ہو، قوم کو بتایا نہ جائے...... وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ......ہم کسی قوم کو عذاب نہیں دیتے جب تک رسول بھیج کر اس کو تنبیہ نہ کر دیں۔

وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ

اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى
میں نے کیوں ان کو ہلاک نہیں کیا، قریش مکہ کو۔ اگر میں تیرے آنے سے پہلے، محمد رسول اللہ ﷺ کے آنے سے پہلے، ان کو ہلاک کر دیتا تو یہ کہتے اے رب کیوں نہیں رسول بھیجا، ہم اس ذلت سے، خواری سے اور اس عذاب سے پہلے بچ جاتے۔

فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ اے اللہ! اس دن، قیامت والے دن، میں ان کو ہلاک پہلے کر دوں، عذاب دوں تو یہ کہیں گے فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ یہ مخلوق کہہ سکتی تھی کہ اے رب ہماری طرف رسول بھیجا ہوتا۔ فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ۔ تیرے کلموں کی ہم اطاعت کرتے۔ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ ہم مومن بن سکتے تھے۔ ہماری طرف رسول نہیں آیا، اعتراض کر سکتے تھے۔

میں پوچھتا ہوں آیا جسمِ مثالی دنیا پر آیا؟ دارِ تکلیف میں آیا؟ اس کی طرف نبی بھیجا گیا؟ اس کو خطاب کیا گیا؟ وہ مکلف ہے؟ پھر مکلف نہیں ہے تو عذاب اور ثواب کس بات کا، عجیب ہی بات ہے! اس وجہ سے کہ کل کوئی اٹھے، وہ جی، جسمِ مثالی کو سب کچھ ملتا ہے۔ جسم مثالی نہ کوئی شے ہے، نہ کوئی اس کا وجود ہے۔ صورِ مثالی ہیں، ہم ان کے قائل ہیں، تمام اہل سنت و الجماعت۔

علامہ سیوطی نے ایک مستقل کتاب لکھی۔ اولیاء اللہ کی معاونت کے واسطے۔ ''المثانی فی صور الولی۔'' یہ چھوٹی بحث میں نے اس لئے کر دی کہ آج کل یہ مسئلہ بڑا چل رہا ہے۔ متنبہ رہیں، خیال رکھیں، ہمارا عقیدہ یہ ہے۔

قرآن کریم یہ کہتا ہے۔ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ یہ رسول کن کو کہا گیا؟ آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک سب کو رسول کہا گیا۔ تِلْكَ الرُّسُلُ، یہ سارے رسول گزرے۔ ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت عطا کی۔ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ۔ ہم نے کسی رسول کے درمیان فرق نہیں ڈالا، کس بات کا؟ کسے مانیں اور کسے نہ مانیں۔ ان کو قرآن، رسول کہتا ہے اور آج یہ اٹھ کر کہتا ہے، نہیں، بس ختم، ایمان صفت، نبوت صفت، رسالت صفت روح کی، روح لے کر الگ ہو گیا۔ نبی ﷺ اسی طرح پڑے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

اس کے بعد دوسری چیز، جماعت کے متعلق جو میں نے عرض کرنی ہے، وقت تھوڑا ہے۔

یہ سمجھ لو! زندگی موت کا کوئی پتا نہیں۔ سارے ساتھی، کسی کی پہلے اور کسی کی بعد، مانگی ہوئی چیز ہے، عاریۃً۔ یہ زندگی ہماری ذاتی چیز نہیں، یہ وجود بھی ہمارا ذاتی نہیں۔ امانت ہے اللہ تعالیٰ کی۔ اس واسطے لکھا ہے کہ ایک پیوند لگانا، ایک عضو جدا کر کے، دوسرے کسی انسان کو دینا، یہ جائز نہیں۔ شرعاً کوئی عضو کاٹ کر دوسرے انسان کو وہ عضو لگا دیا جو آج کل ڈاکٹر کرتے ہیں، یہ حرام ہے شرعاً۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ وجود ہماری ذاتی چیز نہیں بلکہ یہ ایک امانت ہے ہمارے پاس، اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی۔ اس کا ہمیں اعتبار کوئی نہیں۔ جس وقت چاہے، ہم سے واپس لے لے۔ اس واسطے میں یہ آپ کو بتانا چاہتا ہوں، ساتھیوں کو۔

میں اس چیز کو اپنے بعد، یہ بنیاد سمجھ لو۔ میں چار آدمی مقرر کرنا چاہتا ہوں۔ چوتھا ابھی نہیں، تین میرے ذہن میں آچکے ہیں، چوتھے کی جستجو میں ہوں، خلفاء اربعہ کی شکل میں۔ حضرت صاحب (حضرت سلطان العارفین خواجہ اللہ دین مدنیؒ) سن رہے ہیں۔ میں نے مشورہ کسی سے نہیں کیا۔ مشائخ سے بھی نہیں کیا لیکن بات میں ان کے سامنے کر رہا ہوں، چار آدمی۔

ملک محمد اکرم، سیّد بنیاد حسین شاہ، میجر بیگ، تین میری نظر میں آگئے ہیں۔ ان تینوں کے واسطے وہی حکم ہوگا جو میرے واسطے ہے۔ منازل بالا ان کو طے کرانے کی اجازت ہوگی لیکن ان کو بھی میں یہ ہدایت کروں گا، اس آدمی میں استعداد دیکھو، اس کی اہلیت دیکھو، متبع شریعت ہے یا نہیں؟ متبع سنت ہے یا نہیں؟ اخروی علم اس میں ہے یا نہیں؟ وہ اس طاقت کا مالک بن بھی سکتا ہے یا نہیں بن سکتا؟ اس کو آگے چلا سکتے ہو، جہاں تک مرضی ہے، جہاں تک جا سکتا ہے۔ سلوک ختم ہونے والی چیز نہیں ہے۔ مجھے

اللہ تعالیٰ نے وہاں پہنچایا کہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ نوح علیہ السلام کی عمر اگر میری ہو تو سلوک ختم نہیں ہوتا۔ یہ چلتا ہی رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی انتہا کوئی نہیں، اس کی انتہا کوئی نہیں۔ یہ میں تمہارے سامنے ظاہر نہیں کر سکتا کیونکہ سارے دماغ اس کے متحمل نہیں ہوتے کہ اس کو برداشت کر سکیں۔ معاملہ بہت عجیب ہے۔ اسی واسطے مولانا رومؒ دعا کیا کرتے تھے، اللہ اس بدن سے روح کو چھڑا کہ سیر کراؤں دنیا میں، جو ملک ہیں ان میں۔ چیز وہ کہ سکندر ذوالقرنین کی حکومت رکھنے والے، کسریٰ، قیصر روم کی حکومت رکھنے والے بھی آرزو کرتے، کاش یہ چیز مل جائے! مجھے وہ چیز ملی۔

ان میں سے تینوں، چاروں میں سے روحانی بیعت کی صرف اجازت ہوگی تو ایک اکرم کو ہوگی، اس کے پاس جانا پڑے گا۔ اور اس کے بعد اگر کسی کو کوئی دینی پڑی، کسی شخص کو اجازت دینی، خلافت دینی، وہ اس کے اختیار میں ہوگی۔ اس کے ساتھ مشورہ کیا جائے گا، آیا دیتا ہے یا نہیں دیتا ہے۔ نہ دے تو پھر نہ دے۔

اگر خدانخواستہ اکرم نہیں رہتا تو اس کی جگہ پھر سیّد بنیاد حسین شاہ ہو گا۔ مشورہ اس کا مقدم ہوگا سب پر۔ وہ علم والا آدمی ہے، سمجھدار ہے۔ چوتھے کی میں تلاش میں ہوں، وہ ہے نہیں۔ میں خلفاء اربعہ کی شکل میں چھوڑنا چاہتا ہوں۔

اس کے بعد اس طرح سے ہے، میں یہ دیکھ چکا ہوں۔ میری طاقت نہیں رہی کہ میں ملک میں پھروں۔ بڑی دنیا تڑپتی رہتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس چیز کی طلب ساری دنیا کو ہے۔ بندہ آگے سنبھالنے والا کوئی نہیں ملتا۔ اگر ہم نے منوایا ہے کسی کو، یہاں بڑی بڑی طاقتیں اگر جھک گئی ہیں، فلموں سے نکالے ہیں، کلب گھروں سے نکالے ہیں، شراب خانوں سے نکالے ہیں، بدکاری کے اڈوں سے نکال کر لائے ہیں اور مسجد کے تنکوں پر رُلائے ہیں، منارہ کے پتھروں پر رُلائے ہیں۔ سب نے برداشت کیا، ریشمی گدیلوں پر سونے والے!

وہ کون سی چیز تھی؟ وہ اللہ کے نام کی برکت تھی جو کھینچ کھینچ کر لے آئی۔ یہ مناصب ہوتے ہیں۔ بعض منصب ایسے ہوتے ہیں کہ اس آدمی کے وجود میں اللہ تعالیٰ مقناطیسی قوت رکھ دیتا ہے جو کھینچ کھینچ کر، گھسیٹ گھسیٹ کر اپنی طرف لے آتی ہے۔

اس کے بعد جو دور دور کے ملکوں میں رہتے ہیں۔ مثلاً ایران میں جو لوگ رہتے ہیں، ان میں سینکڑوں کی تعداد میں لوگ ہیں جو کرایہ بھی نہیں برداشت کر سکتے، جو آٹھ آنے کرایہ خرچ کر سکیں، تو میرے پاس کس طرح آئیں؟ اسی طرح یہ اگلا علاقہ جو پڑا ہے۔ اسی طرح وزیرستان کے جو علاقے ہیں، اس واسطے میں نے کچھ آدمی منتخب کئے ہیں جو میری زندگی میں میری طرف سے بیعت لیتے رہیں، میرے بعد مستقل لے سکتے ہیں۔ مولوی غلام مصطفیٰ شنکیاری والے، اس اوپر والے علاقے کے لئے۔ غازی مرجان، صوبیدار میجر غازی مرجان، وزیرستان کے لئے۔ بلوچستان کے لئے دو آدمی، ایک آدمی سیّد محمد حسن پہلے ہی سجادہ نشین ہیں۔ ریاست قلات واسطے مولوی عبدالغفور اور ایران واسطے مولوی خان محمد، یہ آدمی ہیں۔ لیکن ان کو فنا بقا اور سالک مجذوبی سے آگے کرانے کی اجازت کوئی نہ ہوگی۔ میں نے اب کہہ دیا تو نہ ہو سکے گی۔ یہ سارا زور لگا لیں، میرے منہ سے نکل گیا، نہ ہو سکے گی، بس نہ ہوگی۔ زور لگاتے رہیں آگے لے جائیں، آگے پہاڑ ہیں، اس سے آگے نہ ہو سکے گی۔ میرے منہ سے ہاں نکلی، ہاں ہوگی، نہ نکل گئی، نہ ہوگی۔

ہوں تو میں بھی تمہاری طرح، لیکن مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ قوت دی ہے۔ میں نے جو بات کہہ دی، اس کے خلاف کیا گیا ذرہ برابر، اپنے مرتبے سے گر کر نیچے آ جائے گا۔ پھر وہ ساری زندگی، وہ مرتبہ حاصل نہ ہو سکے گا۔ خلاف نہیں کر سکتے۔ ان کو سالک مجذوبی کرانے کی اجازت ہوگی، مراقبہ موتو کرانے کی، فنا بقا کرانے کی۔ اس سے آگے اگر کرایا تو ان چاروں خلفاء، روحانی بیعت کرائی یا کرانا تو وہ آگے اکرم کے پاس لے جائیں۔

یہ یاد رکھیں! یہ بات کیسٹ میں بھی آ گئی، میں اس کو قلمبند بھی کر دوں گا۔ ان سے نیچے جو لوگ ہیں، اور بھی تو صاحب مجاز ہیں، ان کو فنا

فی الرسول تک کرانے کی اجازت ہوگی۔ فنافی الرسول کرائیں، اس کے بعد ان کی استعداد دیکھیں پھر باقی ساتھیوں کے حوالے کریں۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لی ہے ہر آدمی نے؟

اس واسطے یہ بات کر دی کہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ زندگی عاریۃً مانگی ہوئی، یہ اپنی ذاتی چیز کوئی نہیں۔ میری موجودگی میں، میں خود سنبھال لوں گا جو کچھ ہوا۔ کوئی ترمیم ان میں کرنی پڑی یا ان میں خدا نہ کرے، نہ کرے خرابی پیدا ہو جائے۔ میں نے یہ کیوں کہا چار آدمیوں کا۔ ایک میں خرابی پیدا ہو جائے، شیطان زندہ ہے، نفس ساتھ ہے، شیطان زندہ، نفس اس کا ایجنٹ ہے۔ کل ایک میں خرابی ہو اور ایک ہی کے سپرد ہو، ساری بیڑی، جو میری پچاس سال کی محنت ہے، ساری غرق کر کے رکھ دے۔ ایک خراب ہو دوسرا سنبھال لے گا، تیسرا سنبھال لے گا، چوتھا سنبھال لے گا۔ یہ چھوٹے جو ہیں، دوسرے پانچ چھ آدمی جو میں نے مقرر کئے ہیں۔ یہ ان کے لئے ہیں جو آنہیں سکتے۔ ان کی بیعت میری طرف سے لیں، اس کے بعد مستقل لیتے رہیں اور جو نیچے درجہ کے آدمی ہیں، فنافی الرسول سے آگے کچھ نہ کرائیں۔ بس، یہیں چھوڑ دیں، آگے جیسی استعداد ہوگی۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

جناب صدیق اکبرؓ کی سنت کے عین مطابق جس کا اظہار غم و اندوہ کی صورت میں انہوں نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا تھا، حضرت امیر المکرم بھی اس حقیقت کو پا گئے کہ یہ حضرت جیؒ کا آخری بڑا اجتماع ہے اور آخری اہم خطاب۔ اس سے قبل حضرت جیؒ نے متعدد مرتبہ حضرت امیر المکرم کو اپنا جانشین مقرر فرمایا تھا لیکن 21 اکتوبر کے اس اعلان کے بعد کہ آنے والے دور میں سلسلۂ عالیہ ان کے سپرد کیا جا رہا ہے، وہ غم واندوہ میں ڈوب گئے کہ یہ آپؒ کی روانگی کا اعلان بھی ہے۔ کھل کر تو اظہار نہ کر پائے لیکن دبی زبان میں ان سے یہ ضرور سنا گیا کہ شاید اب جدائی کا وقت قریب ہے۔

حسب پروگرام جمعہ، ہفتہ کی درمیانی شب حضرت جیؒ نے لنگر مخدوم میں قیام فرمایا۔ مغرب اور تہجد کے بھرپور اذکار ہوئے۔ احباب کی کثیر تعداد رات بھر حضرت سلطان العارفین خواجہ اللہ دین مدنیؒ کے مزار پر ٹولیوں کی صورت میں مصروفِ ذکر رہی۔ صبح چھ بجے لنگر مخدوم کا یہ اجتماع اختتام پذیر ہوا۔ حضرت جیؒ روانگی سے قبل حضرت سلطان العارفینؒ اور حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کے مزار پر الوداعی سلام کے لئے حاضر ہوئے تو یہ آپؒ کی آخری حاضری تھی۔ قاضی ثناء اللہ (لیٹی والے) حضرت جیؒ کی روانگی کے وقت سے آگاہ نہ تھے۔ حضرت جیؒ گاڑی میں بیٹھ گئے تو کچھ لوگوں نے مصافحہ کیا۔ قاضی جیؒ بھی آگے بڑھے لیکن چلتی گاڑی میں وہ صرف آپؒ کے دستِ مبارک کو چھو سکے۔ اس وقت ان کی خوشی کا عالم دیدنی تھا۔ کہنے لگے ہمارا تو کام ہو گیا۔

یہ بات حضرت جیؒ کو معلوم ہوئی تو آپؒ نے فرمایا:

''تاریخِ تصوّف میں کسی کا ایسا شاگرد نہیں ہوا ہوگا۔''

لنگر مخدوم سے واپسی پر حسبِ معمول حضرت جیؒ نے میانہ کوٹ میں مخدوم خاندان کے ہاں ایک رات قیام فرمایا۔ 23، 24 اکتوبر آپؒ کا قیام بھکر بار میں تھا۔ حضرت جیؒ کا اکثر یہ معمول رہا کہ لنگر مخدوم سے واپسی پر اپنے خادمِ خاص ملک احمد نواز اور بھکر بار کے ساتھیوں کی دلجوئی کے لئے ایک رات یہاں قیام فرماتے۔ حضرت امیر المکرم نے دورانِ قیام اہلِ دیہہ کے اجتماع سے خطاب فرمایا۔

اگلی صبح حضرت جیؒ کی چکڑالہ واپسی ہوئی۔

ضرورت رشتہ

ہمارا بیٹا۔ عمر، 42 سال۔ انجینئر کیلئے باپردہ صوم وصلوٰۃ کی پابند لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔ لاہور کے سلسلہ عالیہ سے منسلک ساتھیوں کو ترجیح دی جائے گی۔

رابطہ: 0323-4319663 0320-2203888

خواتین کا صفحہ

حضرت سہلہ بنتِ سہیل رضی اللہ تعالیٰ عنہا

اُم فاران، راولپنڈی

آپؓ کا شمار عظیم المرتبت صحابیاتؓ میں ہوتا ہے۔ وہ قریش کے خاندان بنی عامر بن لوئی سے تھیں۔

نسب نامہ:

سہلہ بنتِ سہیل بن عمر بن عبد الشمس بن عامر بن لوئی۔ آپؓ کے والد سہیلؓ رؤساء قریش میں سے تھے۔ وہ فصیح وبلیغ خطیب مشہور تھے اور اپنی پُراثر تقاریر سے بڑے بڑے مجمعوں کو متحرک کر دیتے تھے۔ لیکن جب تک مکہ فتح نہیں ہوگیا ان کا سارا زور بیان اسلام کے خلاف صرف ہوتا رہا۔ صلح حدیبیہ میں کافروں کے نمائندہ بن کر آئے تھے تو حضور ﷺ نے فرمایا: ''تمہارا معاملہ سہل ہوگیا۔''

قبولِ اسلام:

خدا کی قدرت سہیل جس قدر اسلام کے خلاف سرگرم تھے ان کی اولاد اسی قدر اسلام کی شیدائی نکلی۔ ان کی دو بیٹیاں سہلہؓ اور اُم کلثومؓ اور دو بیٹے عبداللہ اور ابو جندل عاصؓ وہ سعادت مند لوگ تھے جنہوں نے بعثت رسول ﷺ کے ابتدائی دور میں دعوتِ توحید پہ لبیک کہا۔

شادی:

حضرت سہلہؓ کی شادی رئیس قریش عتبہ بن ربیعہ کے فرزند ابو حذیفہ ہشیمؓ سے ہوئی۔ ابو حذیفہؓ اس وقت ایمان لائے جب حضور ﷺ دارِ ارقم میں بھی داخل نہ ہوئے تھے۔ ابو حذیفہ کے ایک پروردہ غلام سالم بھی اسلام میں پہل کرنے والوں میں سے تھے۔ ابو حذیفہؓ قریشی اور بدری صحابی تھے اور ان کا تعلق عبشی قبیلے سے تھا۔

ہجرتِ حبشہ:

دونوں میاں بیوی قریش کے مقتدر خاندانوں سے تعلق رکھنے کے باوجود کفار کے مظالم سے محفوظ نہ تھے۔ بالآخر بعثت کے پانچ سال بعد حضور ﷺ کے ایما پر حبش کی طرف ہجرت کر گئے۔ حضرت سہلہؓ کی ہمشیرہ اُم کلثومؓ اور ان کے شوہر ابو صبرہ بن ابی رھم جو کہ اسلام قبول کر چکے تھے، نے بھی حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ ابھی وہاں دو مہینے ہی گزارے تھے کہ رسولِ اکرم ﷺ اور قریش کے مابین صلح کی افواہ سنی تو چند دوسرے صحابہ کے ہمراہ عازم مکہ ہوئے۔ مکہ کے راستے میں ہی انہیں اس خبر کے غلط ہونے کی اطلاع مل گئی لیکن انہوں نے واپس جانے کی بجائے اُمیہ بن خلف کی پناہ حاصل کی اور مکہ میں داخل ہوگئے۔

اختلافِ رائے:

علامہ طبریؒ کے مطابق اس کے بعد دونوں میاں بیوی ہجرتِ مدینہ تک مکہ میں ہی مقیم رہے لیکن ابن اسحاقؒ اور دوسرے اہل سیَر کے مطابق وہ ۶ ھ بعد بعثت دوبارہ ہجرت کر کے حبش چلے گئے۔ وہیں ان کے فرزند محمدؓ بن حذیفہؓ پیدا ہوئے۔ (الطبقات، ج:۸، ص ۷۰۔ اسد الغابۃ ج:۵، ص:۴۸۲)

ہجرتِ مدینہ:

حضور ﷺ کے عازم مدینہ ہونے سے کچھ عرصہ قبل ۳۳ مردوں اور آٹھ عورتوں پہ مشتمل ایک جماعت حبشہ سے مکہ واپس آگئی جس میں یہ بھی شامل تھے۔ پھر جب حضور ﷺ نے صحابہؓ کو مدینہ

کی طرف ہجرت کا حکم دیا تو حضرت سہلہؓ اپنے شوہر، بیٹے اور آزاد کردہ غلام حضرت سالمؓ کے ہمراہ مکہ سے مستقل ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے اور پھر باقی کی زندگی وہیں گزار دی۔ ابوحذیفہؓ کے والد عتبہ بن ربیع کو ہجرت کے وقت اپنے بیٹے اور بہو کی ہجرت کا علم نہ ہوسکا۔ جب یہ لوگ نکل آئے تب اسے خبر ہوئی لیکن اب معاملہ ہاتھ سے نکل چکا تھا۔

حضرت سہلہؓ اور خصوصی رخصتِ نبویؐ:

حضرت سالمؓ جو حضرت ابوحذیفہؓ کے متبنیٰ تھے دراصل ان کی ایک دوسری بیوی شبیہؓ بنت یعار انصاریہ کے غلام تھے۔ انہوں نے سالمؓ کو آزاد کر دیا تو ابوحذیفہؓ نے انہیں اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا۔ حضرت سالم کا اصل خاندان یعنی آباؤ اجداد فارس (ایران) کے شہر اصطخر سے تھے۔ ان بہت سی نسبتوں کی وجہ سے حضرت سالمؓ کو مہاجر، قریش، انصاری اور فارسی بھی کہا جاتا تھا۔

صحیح کتب سے ثابت ہے کہ انہوں نے مدینہ کی ہجرت فرمائی جبکہ ابھی حضور ﷺ نے ہجرت نہ کی تھی اور وہ وہاں مہاجرین کی امامت بھی کرتے تھے اس لئے کہ وہ سب سے زیادہ قرآن پڑھے ہوئے تھے اور ان کے فضائل بہت تھے۔

پرورش:

بچپن سے سالمؓ نے ابوحذیفہؓ اور ان کی بیوی حضرت سہلہؓ کے ہاں سگے بیٹے کی طرح پرورش پائی تھی چونکہ جاہلیت میں جس کو متبنیٰ بنالیا جاتا تو لوگ اس کو منہ بولے باپ کے نام سے منسوب کرتے اور وہ اس کے مال سے بھی میراث پاتا۔ جب اللہ نے قرآن میں یہ حکم نازل کیا جس میں لے پالک کو اُن کے اصلی باپ کے نام سے پکارنے کا حکم ہے اور اگر باپ کا نام معلوم نہ ہو تو حکم ہوا کہ وہ تمہارے دینی بھائی اور ساتھی ہیں (الاحزاب) تو جاہلیت کے اس رواج کا خاتمہ ہوگیا۔

حضرت سالمؓ کو بھی لوگ سالم بن حذیفہؓ کی بجائے سالم مولیٰ ابوحذیفہ کہنے لگے۔ مسند ابوداؤد میں ہے کہ اس حکم کے نازل ہونے کے بعد حضرت ابوحذیفہؓ کو گھر میں پہلے کی طرح آنا جانا ناگوار گزرنے لگا کیونکہ وہ اب بلوغت کو پہنچ گئے تھے لیکن بچپن کے تعلق اور محبت کی بناء پر اُنہیں آنے سے منع کرنا بھی دشوار ہوا تو حضرت سہلہؓ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اپنا مسئلہ عرض کیا۔ ارشاد ہوا ''اس کو اپنا دودھ پلا دو تو وہ تمہارا محرم ہوجائے گا اور وہ بات جو ابوحذیفہ کے دل میں ہے وہ بھی چلی جائے گی۔'' (اس کو مسلم ج: ۴، ص: ۱۹۶ اور ابن ماجہ جلد: ۳، ص: ۱۹ نے بھی روایت کیا ہے۔)

امام ابن حجرؒ فرماتے ہیں حضرت سہلہؓ برتن میں تھوڑا دودھ نکال لیتیں اور حضرت سالم پی لیتے یہاں تک کہ پانچ دن گزر گئے اس کے بعد سالم ان کے گھر آتے جاتے اگرچہ حضرت سہلہؓ ننگے سر ہوتیں۔

رخصتِ خاص:

اہم بات یہ ہے کہ یہ رخصت خاص ان کے لیے تھی۔ اس طرح سالمؓ ان کے رضائی فرزند ہوگئے۔ اُم المومنین حضرت سلمہؓ فرماتی ہیں: ''یہ صرف انہی کے ساتھ خاص رخصت تھی ورنہ تمام ازواجِ مطہرات نے اس طرح کرنے سے منع کر دیا کیونکہ جوانی میں رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔''

حضرت عائشہؓ نے بھی سب سے کہا ''خدا کی قسم! یہ خصوصیت جو سالم کو ملی صرف انہی کے ساتھ تھی ورنہ اس طرح کوئی ہم پر آ جا نہیں سکتا اور نہ ہم کو دیکھ سکتا ہے۔''

ابوحذیفہؓ نے حضرت سالمؓ کی شادی اپنی بھتیجی فاطمہؓ بنت ولید بن عتبہ سے کردی۔ وہ بھی مہاجرہ تھیں اور قریش کی افضل خاتون تھیں۔ حضرت سالمؓ نے اپنے آقا حضرت ابوحذیفہؓ کے ہمراہ جنگ یمامہ میں شہادت پائی جو کہ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں ہوئی۔

(بقیہ صفحہ نمبر 47 پر)

بچوں کا صفحہ

قسط نمبر 3

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ع خان، لاہور

شہادت:

حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت کے پہلے چھ سال بڑے امن سے گزرے۔ لیکن آخری چھ سالوں میں حالات بگڑنے شروع ہوگئے اور بات حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت تک پہنچ گئی۔ ان بگڑتے حالات کی وجہ یہ تھی کہ ایک تو صحابہ کرامؓ کی وہ مبارک جماعت جس نے رسول اللہ ﷺ کے چہرہ مبارک کی روشنی میں زندگی اور اتحاد کے سبق سیکھے تھے اس دنیا سے رخصت ہو رہی تھی۔ دوسرا منافقین جو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرکے ایک عرصہ سے مسلمانوں میں نفاق پیدا کرنے کی کوشش کر رہے تھے، انہوں نے اپنی کوششیں بہت تیز کردیں۔ نبی اکرم ﷺ کے مبعوث ہونے سے پہلے قبیلہ بنو ہاشم اور قبیلہ بنو اُمیہ میں شدید دشمنی چلی آرہی تھی۔ آپ ﷺ نے اپنی بعثت کے بعد جہاں تمام قبائل کی آپس کی دشمنیاں ختم فرمادیں وہاں حضرت عثمان غنیؓ کو اپنی دو پیاری بیٹیاں (ایک کی وفات کے بعد دوسری بیٹی) بیاہ کر بنو اُمیہ کے ساتھ خاص اُلفت کا اظہار فرمادیا۔ اب جبکہ نبی اکرم ﷺ کے وصال کو تقریباً اٹھارہ سے بیس سال گزر چکے تھے۔ جاں نثار صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی تعداد دنیا سے رخصت ہوچکی تھی تو منافقین نے بنو ہاشم اور بنو اُمیہ کے پرانے اختلافات، جو ختم ہوچکے تھے، کو دوبارہ ہوا دینی شروع کردی۔ انہی کوششوں میں منافقین کے اس گروہ نے حضرت عثمان غنیؓ پر سیاسی و حکومتی الزامات بھی لگانے شروع کردیئے کہ عوام کا ذہن متاثر کرسکیں۔ اگرچہ وہ گروہ اپنی ان کوششوں میں بُری طرح ناکام رہا کیونکہ عوام حضرت عثمان غنیؓ سے دُور ہونے کی بجائے اُن کے ساتھ مزید جُڑ گئی۔ لیکن چند لوگ جن کے اپنے دلوں میں نفاق موجود تھا وہ اس گروہ کے ساتھ شامل ہوکر بدامنی اور فساد پھیلانے میں منافقین کے گروہ کے بازو بن گئے۔

مصر میں عبداللہ بن سبا جو یہودی النسل تھا اور اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا تھا، مصر میں مسلمانوں میں نفاق پھیلانے کی پوری کوششوں میں جتا ہوا تھا۔ اسے بصرہ اور کوفہ کے سازشی گروہوں کا پتا چلا تو اس نے بہت محنت سے منافقین کے ان تمام گروہوں کو منظم کیا اور اس بات پر آمادہ کرلیا کہ حضرت عثمان غنیؓ کو خلافت سے ہٹا کر نہ صرف بنو اُمیہ کی طاقت کو توڑ دیا جائے بلکہ بنو ہاشم اور بنو اُمیہ کے اختلافات دوبارہ منظر عام پر لائے جائیں۔ اس کوشش میں اس نے اپنے لوگ عرب میں ہر طرف پھیلا دیئے جو بظاہر اپنے آپ کو مسلمان بتا کر پہلے عام مسلمانوں کا اعتماد حاصل کرتے اور پھر انہیں حضرت عثمان غنیؓ اور اُن کے گورنروں کے خلاف شکایات سناتے اور یوں اسلام کے خیر خواہ بن کر خلیفۃ المسلمین سے بدگمان کرتے۔ پھر اس گروہ کے لوگوں نے مدینہ منورہ میں جمع ہونا شروع کردیا۔ ان لوگوں نے باقاعدہ ایک منصوبہ کے تحت ایک جمعۃ المبارک پر دورانِ خطبہ حضرت عثمان غنیؓ پر اس قدر پتھر برسائے کہ دامادِ رسول ﷺ زخموں سے چور ہوکر گر پڑے۔ لیکن حضرت عثمان غنیؓ اس قدر نرم مزاج اور حلم کے پیکر تھے کہ انہوں نے ان فسادیوں سے کوئی باز پرس نہیں کی اور سب کو معاف فرمادیا۔

اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد مفسدین نے حضرت عثمان غنیؓ کے گھر کا گھیراؤ کرلیا اور مطالبہ شروع کر دیا کہ حضرت عثمان غنیؓ خلافت سے الگ ہو جائیں۔ یہ محاصرہ چالیس دن تک جاری رہا۔ کوئی شخص کھانا یا پانی اندر نہیں لے جا سکتا تھا۔ یہ ہنگامہ کرب وفساد اس قدر بڑھا کہ حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ جیسے اکابر صحابہؓ کی آوازیں دب کر رہ گئیں۔ ایک دن حضرت علیؓ نے تین مشکیزے پانی اندر پہنچانے کی کوشش کی تو اس ہنگامے میں بنو ہاشم اور بنو اُمیہ کے چند غلام زخمی ہو گئے۔ آخر حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ اور کئی دوسرے صحابہ کرامؓ نے اپنے اپنے صاحبزادوں کو حضرت عثمان غنیؓ کی رہائش گاہ کے دروازے پر آپؓ کی حفاظت کے لیے کھڑا کر دیا۔ حضرت علیؓ نے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو فرمایا کہ آپ دونوں امیر المومنین کے دروازے پر ننگی تلواروں سے حفاظت کرو۔ اس موقع پر صحابہ کرامؓ نے آپؓ سے جہاد کی اجازت چاہی تاکہ مفسدین کا خاتمہ کر دیا جائے لیکن حضرت عثمان غنیؓ نے اپنی ذات کی خاطر ہونے والی اس لڑائی سے منع فرما دیا۔

یہ جمعہ کا دن تھا جب آپؓ اُٹھے اور روزہ کی نیت فرمائی۔ بیس غلاموں کو آزاد فرمایا اور قرآن پاک کھول کر تلاوت میں مصروف ہو گئے۔ گھر کے اندر موجود تمام لوگ بالائی منزل پر تھے اور آپؓ کے پاس صرف آپؓ کی زوجہ محترمہ حضرت نائلہؓ موجود تھیں۔ جب منافقین کے اس گروہ کے چند لوگ گھر کے پچھلے حصہ کی دیوار پھلانگ کر اندر آئے اور نائب رسولؐ پر حملہ آور ہوئے۔ حضرت نائلہؓ حضرت عثمان غنیؓ کو بچانے کے لیے آگے بڑھیں اور ہاتھ آگے کیا تاکہ انہیں بچا سکیں تو تلوار کے وار میں اُن کے ہاتھ کی انگلیاں کٹ گئیں اور حضرت عثمان غنیؓ شہید ہو گئے۔

جب یہ خبر مدینہ منورہ میں پہنچی تو لوگوں کے ہوش اُڑ گئے۔ منافقین اور مفسدین کا محاصرہ ابھی جاری تھا۔ حج کا زمانہ تھا اور مدینہ منورہ سے مسلمانوں کی بڑی تعداد حج کے لیے گئی ہوئی تھی۔ چند مسلمانوں نے جانیں ہتھیلی پر رکھ کر حضرت عثمان غنیؓ کا جسد مبارک وہاں سے نکالا، غسل دیا، نمازِ جنازہ ادا کر کے آپؓ کے جسد خاکی کو جنت البقیع میں دفن کر دیا گیا۔ حملے کے وقت چونکہ حضرت عثمان غنیؓ قرآن پاک کی تلاوت فرما رہے تھے تو جس آیت مبارکہ کو آپؓ کے خون مبارک نے رنگین فرمایا وہ یہ ہے:

فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۔

پس تمہارے لیے، اُن کے مقابل، اللہ کافی ہیں اور وہ سننے والے (اور) جاننے والے ہیں۔

بقیہ: خواتین کا صفحہ

دوسرا نکاح:

حضرت ابو حذیفہ کی وفات کے بعد حضرت سہلہؓ نے عبدالرحمٰن بن عوف سے نکاح کرلیا۔

اولاد:

حضرت سہلہؓ کے چار بچے تھے۔ محمد، سلیط، بکیر اور سالم بن عبدالرحمٰن۔

زہد وعبادت:

حضرت سہلہؓ نے اپنی تمام زندگی حضور ﷺ کی پیروی، روزوں اور اخلاص کے ساتھ عبادت میں بسر کی۔

وفات:

سالِ وفات اور دیگر حالات کتب میں نہیں ملتے۔

ضرورت رشتہ

ایک لڑکی، عمر پچیس سال، تعلیم MSC ٹیکسٹائل ڈیزائننگ، فیملی شیخ کے لیے سلسلہ عالیہ سے تعلق رکھنے والے نیک، شریف، دیندار، برسرِ روزگار صاحب کا رشتہ درکار ہے۔ خواہشمند حضرات مندرجہ ذیل نمبر شام 4 سے رات 10 بجے کے دوران رابطہ کریں۔ 0333-4730931, 0331-4394401

مساعی جمیلہ

سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے ناظمِ اعلیٰ کا دورۂ سرگودھا

حکیم عبدالماجد اعوان، سرگودھا

یہ چھ اپریل 2016ء کی ایک خوبصورت شام تھی۔ مہمان سرائے (ہوٹل) سرگودھا پہنچنے کا حکم ہوا۔ ملک نیامت علی ٹوانہ، مہمان سرائے کے مالک، میزبان تھے۔ یہ ایک ایسی جگہ ہے جو کہ صرف علاقے کے لیے ہی نہیں بلکہ دور دراز سے آنے والے کثیر افراد کو سلسلہ عالیہ اور حضرت شیخ المکرم مدظلہ عالی سے تعارف کے لیے ایک بہترین پلیٹ فارم ہے اور یقیناً حضرت جی مدظلہ عالی کی خصوصی توجہ کا مرکز بھی۔

تقریباً ساڑھے سات بجے محترم ناظم اعلیٰ صاحبزادہ ملک عبدالقدیر اعوان صاحب تشریف لائے۔ کھانے کا انتظام تھا۔ تقریباً پندرہ منٹ کی ڈرائیو کے بعد محترم ناظم اعلیٰ صاحب ریکس ہال سرگودھا میں پہنچے۔ انصاف فاؤنڈیشن کے بانی اور چیئرمین حافظ عبدالرؤف صاحب نے آپ کا استقبال کیا۔ کارکنان سے کھچا کھچ بھرا ہوا ہال آپ کے احترام میں کھڑا ہو گیا۔ پھولوں کی برسات میں خوبصورت اور محبت والے الفاظ سے آپ کو خوش آمدید کہا گیا۔ جناب ناظم اعلیٰ صاحب نے ہاتھ ہلا کر تمام کارکنان کی محبت کا جواب دیا۔ مائک پر بانی وچیئرمین انصاف فاؤنڈیشن گفتگو فرما رہے تھے۔ ان کی جو محبت حضرت جی مدظلہ عالی اور سلسلہ عالیہ سے ہے وہ یقیناً مثالی ہے۔ اپنے ہی سٹیج پر کسی ہستی کی اتنی تعریف کرنا یہ ہر کسی کے بس کا کام نہیں۔ حافظ صاحب کے یہ الفاظ کہ آج میں جو کچھ بھی ہوں میری جماعت اور اُس کی ساری کاوشیں، یہ سب آج سے کئی برس پہلے حضرت شیخ المکرم مدظلہ عالی کی ایک تقریر کے ان خوبصورت اور پُراثر الفاظ کا نتیجہ ہے کہ رب کی دھرتی پر رب کا نظام ہونا چاہیے۔ یہ الفاظ میں نے اپنے دل و دماغ میں بٹھا لیے اور انہی الفاظ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے آج سے چھ سال پہلے میں نے انصاف فاؤنڈیشن، سرگودھا کی بنیاد رکھی۔ یہ کام ہم مسلسل چھ سال سے کر رہے ہیں اور اس میں ہمیں بہت سی مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ اس کام کے لیے ہمیں کسی بزرگ کی توجہ اور پھونک (دم) کی ضرورت تھی۔ جو کہ آج ہمیں سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے مشائخ کی طرف سے، الحمدللہ! مل گئی ہے۔ حافظ عبدالرؤف صاحب کے خطاب کے بعد مائک پر محترم ناظم اعلیٰ صاحبزادہ ملک عبدالقدیر اعوان صاحب کو اپنے خیالات کے اظہار کے لیے دعوت دی گئی۔ آپ نے اپنے ابتدائی کلمات میں انصاف فاؤنڈیشن کا شکریہ ادا کیا اور کارکنان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک وقت تھا جب ہمارے بزرگ لاہور کے ایک مینار کے پاس، ایک مضبوط عزم وارادے اور ایک حسین مستقبل کے لیے، ایک قرارداد کی منظوری کے لیے جمع تھے، جسے سب حاضرین نے کثرت رائے سے منظور کیا۔ مگر آج کا نوجوان ہمارے بزرگوں کے 1940ء کے اُس عہد کو بھول بیٹھا ہے اور اس جگہ کو ایک تفریحی مرکز کے طور پر سمجھنے لگا ہے۔ کاش ہمیں تاریخ یاد ہوتی۔ جب ہم اس پر نظر دوڑاتے ہیں تو تقسیم ملک پر ہم نے ان گنت نوجوانوں کے خون اور اپنی ماؤں، بہنوں کی عصمتوں کی قربانی دی۔ بے شمار گھر اُجڑے۔ اپنی جائیداد اور سب کچھ چھوڑ کر ایک عظیم مقصد کے لیے ہجرت کی۔ یہ خواب اپنے ذہن میں سجایا کہ ہم ایک ایسا ملک بسانے جا رہے ہیں جس پر حکمرانی

صرف اللہ تعالیٰ کی ہو۔ مگر صد افسوس ہم تقسیم ملک کے وقت بھی سازش کا شکار ہو گئے۔ جن اکابر علماء نے تقسیم ملک کی مخالفت کی تھی ان کا مقصد یہ تھا کہ اس سارے خطے کی مسلم آبادی کا ایک وطن بنے۔ لیکن ایک سازش کے تحت ایک کثیر مسلم آبادی ہندوستان میں رہ گئی اور باقی پاکستان کا حصہ بنی۔ پھر وہی ہوا کہ انگریز تو چلا گیا لیکن اکثر وہی لوگ اس کے حکمران بنے جو کہ انہی کے تربیت یافتہ تھے۔ پھر وہی ہوا کہ ملک تو بن گیا مگر نظام نہ بدل سکا۔ محترم ناظم اعلیٰ کے خطاب کا انداز ایسا پُراثر تھا کہ چالیس منٹ کے خطاب کے دوران سارا مجمع ساکن رہا۔ یہ بڑی حیرت والی بات تھی کہ کسی اور جماعت کا پلیٹ فارم ہو اور اُس جماعت کا لیڈر پہلے خطاب کر چکا ہو اور بعد میں آنے والے مقرر کی بات اتنی دلجمعی سے سنی جائے۔ آپ نے اپنے خطاب میں سلسلہ عالیہ کا تعارف کروایا اور اس درد دل کی بات کی جو کہ آج ہر مسلمان کی ضرورت ہے کہ تعلیمات نبوت ﷺ کے ساتھ ساتھ برکاتِ نبوت ﷺ بھی حاصل کی جائیں۔ حضرت جی مدظلہ عالی کی شخصیت پر بات کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کے تعارف کے اتنے شعبے ہیں، آپ نے ہر ایک شعبہ میں اتنی مہارت سے کام کیا کہ اس مختصر وقت میں ان پر بات کرنا ناممکن ہے۔

آپ نے اپنے خطاب کے آخر میں انصاف فاؤنڈیشن کے کام کی تعریف کی۔ اور کہا کہ ظلم کے خلاف اور مظلوم کا ساتھ دینے میں کی جانے والی کاوشوں میں، ایک کارکن کی حیثیت سے میں آپ کے ساتھ ہوں۔ آپ نے انہی الفاظ سے اپنے خطاب کا اختتام کیا۔ آپ کے خطاب کے بعد آپ نے اپنے دست مبارک سے قرعہ اندازی کی جس میں انصاف فاؤنڈیشن کے ایک رکن کو عمرے کی سعادت کے لیے منتخب کیا گیا۔ منتظمین کی بے پناہ محبت کے ساتھ صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان صاحب وہاں سے الوداع ہوئے اور واپسی کا سفر شروع ہوا۔ تھوڑی دیر مہمان سرائے پر رُکے جہاں پر راشد بشیر بھاگٹ صاحب آپ کے منتظر تھے۔ بھاگٹ فیملی، سیاسی طور پر ضلع منڈی بہاؤالدین میں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ محترم ناظم اعلیٰ نے آپ کو دارالعرفان آنے کی دعوت دی۔ رات تقریباً بارہ بجے محترم ناظم اعلیٰ صاحب کا واپسی سفر دارالعرفان کی طرف کا شروع ہو گیا۔

اللہ کریم محترم ناظم اعلیٰ صاحب کو خوبصورت صحت عطا فرمائے اور آپ کی ہر لمحہ سلسلہ عالیہ کی ترقی کے لیے کی جانے والی کاوشوں کو قبول فرمائے۔

(آمین، ثم آمین)

سوال و جواب کا بقیہ حصہ، صفحہ نمبر 36 سے آگے

اور ان لوگوں میں جو یہاں بات آخرت کی ہوتی ہے تو نگاہ آخرت پر ہوتی ہے، بڑا فرق ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ جب حجاب اُٹھتا ہے، موت کے فرشتے سامنے آتے ہیں، آخرت دکھائی دیتی ہے تو بندے کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں، اسی حال میں مرجاتا ہے پچھلے آنکھیں بند کررہے ہوتے ہیں۔ آپ نے دیکھا مرنے والے کی آنکھیں اس کے وارث بند کرتے ہیں، تو آنکھیں تک بھی نہیں بند کر سکا، مبہوت ہو گیا آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس سے بچنے کے لیے ان حقائق کو پہلے پالینا چاہیے، یقین محکم کے ساتھ قوی ایمان کے ساتھ۔ آپ کے پاس تو دامان محمد رسول اللہ ﷺ ہے۔

کیا کچھ ہے اس دامن میں
پر دامن ہاتھ میں آئے تو

دنیا کی، آخرت کی ہر نعمت اس دامن میں ہے لیکن دامن بھی پکڑا جائے تب بات ہے۔ تو کوشش کریں، محنت کریں، اللہ آپ سب کو حاضر و غائب سب احباب کو توفیق ارزاں کرے، تھوڑی مزدوری پہ زیادہ اجر دے اور سب کو ان حقیقتوں سے آشنا کرے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

طب

خربوزہ

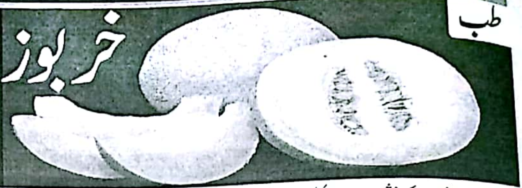

حکیم عبدالماجد اعوان، سرگودھا

خربوزہ ایک مشہور و معروف پھل ہے۔ پاک و ہند میں جہاں ریتلی زمین ہوتی ہے وہاں پایا جاتا ہے لیکن بعض اوقات اس کی کاشت ندی کناروں پر بھی ہوتی ہے۔

جدید ریسرچ۔۔

خربوزہ میں آئرن اور وٹامن سی کی مقدار بہت زیادہ ہوتی ہے۔اس کے علاوہ پروٹین اور کاربوہائیڈریٹس بھی موجود ہوتے ہیں۔

مزاج

مزاج کے اعتبار سے اکثر اطباء اکرام کی رائے کے مطابق جو خربوزہ زیادہ میٹھا ہوتا ہے اس کا مزاج گرم تر ہوتا ہے اور جس کا ذائقہ پھیکا اور ترش ہوتا ہے اس کا مزاج سرد تر ہے۔

فوائد

بدن کو فربہ کرتا ہے، گردوں کی اصلاح کرتا ہے، پیشاب خوب لاتا ہے۔ بچوں کو دودھ پلانے والی خواتین کے لیے از حد مفید ہے۔ استسقاء اور یرقان کے لیے فائدہ مند ہے۔ گردے اور مثانے کی پتھری کو خارج کرتا ہے۔گرم مزاج والے افراد کے معدے میں پائے جانے والے فاسد مادوں کا اخراج کرتا ہے۔ یہ جلد ہضم ہونے والا پھل ہے۔

یہ گرمی اور لو سے بچاتا ہے۔ دل و دماغ کو تازگی بخشتا ہے۔ خربوزے کو ٹھنڈا کر کے کھانے سے اس کا ذائقہ بڑھ جاتا ہے۔خربوزہ سنگ رہنی میں مفید ہے۔ ہائی بلڈ پریشر اور گنٹھیا میں بھی فائدہ دیتا ہے۔ یہ زبردست مصفی خون ہے۔خربوزے کا چھلکا گوشت کے ساتھ ہانڈی میں پکانے سے گوشت جلد گل جاتا ہے۔

دائمی قبض

خربوزے کو کالی مرچ اور نمک کے ساتھ کچھ دن لگاتار استعمال کرنے سے دائمی قبض ختم ہو جاتی ہے۔

چھائیاں

خربوزے کے گودے اور چھلکے کو پیس کر چھائیوں پر لگانے سے اُن کے نشانات ختم ہو جاتے ہیں۔

پیشاب کی نالی میں سوزش اور سوجن

خربوزے کے بیج، ایک تولہ کو پیس کر چھان لیں اور اس میں دس قطرے روغن صندل ملا کر استعمال کرنے سے پیشاب کی نالی کی سوزش اور سوجن ختم ہو جاتی ہے۔

درد گردہ

خربوزے کا خشک چھلکا لے کر اور اس کو دھو کر آدھ لیٹر پانی میں اُبالیں۔ جب پانی 200ml رہ جائے، اُس میں تھوڑی سی چینی شامل کر کے صبح شام استعمال کریں۔ ایک ہفتہ متواتر استعمال کریں۔ دوسرے ہفتے تین تیسرے دن پئیں۔ ایسا کرنے سے درد گردہ میں افاقہ ہو جاتا ہے۔

خواتین کے لیے

سونف 4 گرام، تخم قرطم 4 گرام، مغز خربوزہ 4 گرام، چھلکا املتاس چار گرام سب کو دو کپ پانی میں جوش دیں۔ جب ایک کپ رہ جائے تو چینی ملا کر گھونٹ گھونٹ کر کے پی لیں۔ ایام سے تین دن پہلے استعمال کریں۔ ایام رُک کر آنے اور کم آنے میں مفید ہے اور ان دنوں میں پیدا ہونے والے درد کو بھی ختم کرتا ہے۔

گردہ کی پتھری

مغز خربوزہ 6 گرام، مغز کھیرہ 3 گرام، مغز ککڑی 3 گرام، گوکھرو 4 گرام، کلتھی 4 گرام، سب کو 200ml پانی میں اُبالیں۔ جب پانی 50ml رہ جائے تو چھان کر چینی ملا کر استعمال کریں اس کے متواتر استعمال سے گردہ کی پتھری خارج ہو جاتی ہے۔

پیشاب کی بندش

سونف 4 گرام، مغز خربوزہ، مغز کھیرا، مغز ککڑی، گوکھرو چھوٹی ہر ایک 3 گرام کو ڈیڑھ کپ پانی میں جوش دے۔ جب نصف رہ جائے تو چینی ملا کر استعمال کریں۔ پیشاب کی روکاوٹ کو ختم کرتا ہے۔

خربوزہ کھانے کی ضروری ہدایات

خربوزہ نہار منہ نہ کھانا چاہیے، ایسا کرنے سے متلی اور قے پیدا ہوتی ہے اور معدہ کو کمزور کرتا ہے۔ اسی طرح زیادہ بھوک کی حالت میں بھی نہ کھائیں، کیونکہ معدے کی قوت اور گرمی کی وجہ سے خربوزے میں فساد آ جاتا ہے۔ کھانا کھا کر اسی وقت خربوزہ کھانا، بدہضمی پیدا کرتا ہے۔ اس کا بہترین وقت، جس وقت پیٹ نہ زیادہ خالی ہو اور نہ ہی بھرا ہوا ہو، اس وقت اس کا استعمال کرنا چاہیے۔ خربوزہ کو کھانے سے پہلے ٹھنڈا کر لینا چاہیے۔

اجتماع آخری عشرہ رمضان المبارک

حسب سابق رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ کے مرکز دارالعرفان، منارہ ضلع چکوال میں سنت اور نفل اعتکاف کا اہتمام ہو رہا ہے۔ جس میں سالانہ اجتماع کی طرح تربیتی پروگرام ترتیب دیا جاتا ہے۔ اعتکاف سے صحیح معنوں میں فیضیاب ہونے اور روح کو بالیدگی اور پاکیزگی عطا کرنے کے لیے اس سے بہتر موقع نہیں مل سکتا۔ ساتھیوں سے گزارش ہے کہ وہ اس موقع سے بھرپور فائدہ اُٹھائیں۔

ہدایات:

اعتکاف کے آداب کا خیال رکھیں۔ معتکف کو گپ شپ کی اجازت نہیں ہے۔ نہ موبائل فون سنے، نہ ساتھیوں سے گپ شپ کرے بلکہ وضوخانے کی طرف جائے تو آتے جاتے راستے میں کسی سے بات نہ کرے، یہ بھی مکروہ ہے۔

خواتین، نابالغ بچوں، معذور اور بیمار حضرات کو اجتماع پر آنے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر کوئی خاتون ایک آدھ دن کے لیے دارالعرفان آئے تو اپنی سحری اور افطاری کا بندوبست خود کر کے آئے۔

did not remember, Allah (SWT)

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِىْ نَفْسِكَ. (7:205)

In this Ayah, it is being ordered to remember Allah(SWT) who created us, who is our Lord, our Sustainer, who gives us life and takes it back, too, and who is the Provider of all mankind. Some instructions are being given in this Ayah about Zikr Allah, how to perform it تَضَرُّعًا وَّخِيفَةً. Firstly, to do it within your existence. It is understood, that it implies, to do Zikr Allah, within your heart. The first requirement for us, is to realize that I am within myself nothing, and of no value when in Allah's audience. Our reality is such that even till the end of times, we will still be a zero and never will tantamount to, a one. Thus, by giving weight to our being, this world will be full of egoistical people, and it will happen what is already happening. So, when remembering Allah(SWT) do not consider it as a favor upon Allah(SWT) or be proud over this pious deed. Rather, do so in complete humility, remembering your place before your Lord, your Creator. Zikr Allah should be performed in a state in which we are aware of our low rank and His exalted one.

خِيفَتَه English and Urdu translations of this cannot encompass the meaning of this word as they are limited languages whereas Arabic is a vast one, where each word may have two hundred (200) different meanings .Also, Arabic is a language in which one word may mean the opposite of it, too(auto-antonyms). For example the word مولا means an owner and also a freed slave, both opposite in meaning. It is therefore very difficult to ascertain that in a given sentence the word مولا means lord or a freed slave. The meaning can only be decided in context to the passage in which it is used. The word خِيفَتَه in Urdu, literally means fear (خوف). Fear is a common emotion, it can be of anything a vicious animal, a robber or the fear of loss. However, here, fear denotes the feeling of extreme awe felt by someone before, as exalted as Allah (SWT) We can understand this feeling by the analogy of a farmer who is from a very humble background and is to be presented in the king's court. The tremulous feeling that would overtake him would be overwhelming. He would be acutely aware of the disparity between his humble and insignificant self and that of the lofty court of the king. No amount of reassurance will put his heart at ease or make him less in awe, even if, the reason for his summons were to be made clear, as promises of lands, titles or wealth. The Ayah states"وَاذْكُرْ رَّبَّكَ,Do Zikr" with the same feeling of awe, admiration and trepidation of Allah(SWT) as mentioned above.

دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ. here means an audible sound, which is heard in a conversation, be it loud or low. Salah demands that it should be said without جَهْر. Words will be formulated by the tongue but won't be uttered audibly. If a person whispers them out, his Salah will be nullified, and also, he will be disrupting the Salah of the one who is standing next to him.

(Continued...)

Shah Abdul Aziz writes:

ordered, in Quran, even once, it is a sufficient directive, than why the need to mention it a number of times The Quran is a very comprehensive and precise Allah's Book and is void of even a single, unnecessary letter, yet its each sentence carries many a depth. Since the time the Quran was revealed to the current day, many scholars have come by, who were gifted by Allah(SWT) with the ability to do Commentary on Quran. Documented and published Commentaries of Quran are around 200 0 0 0 ,this is besides, those Commentaries which were not documented or could not be printed (especially in olden days when printing was yet to be invented). No matter how many of these, one reads, the vastness in the meanings of the Quran is such that in each version there'll be something new, which one may not have read before. And since this process of explaining the Quran will carry on till the end of times, so will the process of gleaning pearls of knowledge from it. It is an unending process because human intellect just cannot encompass the final and definite meanings of the words of their Creator. From the Ayah mentioned earlier, what does one understand It is giving a directive of doing Zikr Allah.

The instruction of Zikr Allah is indefinite whereas that of Salah is definite. For every component of Salah, Prophet ﷺ has taught us how to say and what to say in it. Similar is about fasting how to fast, when to fast, what nullifies the fast etc; all these have been clearly stipulated. The standards of the practice of Hajj have also been set. It can only be performed during certain days, at certain locations and in a certain manner. However, some people still have wrongly tried to perform Hajj while still at home! Example is of one person who lived in Bangla(a valley in Khewra where people move to, in summer, to keep themselves cool). During the days of Hajj, he used to save two rupees(which was a substantial amount in those days) and perform Hajj there, in Bangla. Hajj is one of those acts of worship which have been defined. What is done in Mina cannot take stead of what is to be done in Arafat. The stay one has to make in Muzdalifa cannot be made anywhere else and the Tawaaf (circumambulating of the Kaabah) cannot be done at any other place. However, the directive of doing Zikr Allah has no limitations to it. It has been instructed to do it, in abundance, to do it day and night and to perform it in every breathing moment of your life. But what is not defined is, How to perform it The Quran says:

يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ (آل عمران:191)

So, some are found doing Zikr Allah while standing, sitting or laying down. Allah (SWT) likes, His people, who remember Him (SWT) in all these conditions. Once, someone inquired of Hazrat Aisha (RAU) beloved wife of the Prophet ﷺ about the manner in which Prophet (SAWS) did Zikr Allah. She responded عَلٰى كُلِّ اَحْيَانِهٖ meaning thereby that He ﷺ used to remember Allah (SWT) at all times, in all conditions. Not a moment used to go by in which He ﷺ

Remembrance of the Heart

Translated Speech of
Hazrat Ameer Muhammad Akram Awan MZA Urdu Bayan Salana Ijtimah

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِیْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِیْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ o

'Remember your Lord in your heart with humility and awe, without being loud, in mornings and in evenings') (7:205)

An Ayah of the Quran which gives a direct command, is an unequivocal order, as it is ordained by Allah (SWT). It is irrefutable and must be followed by all, except those who have lost sanity and thus the laws of Shariah are not applicable on them. Take the example of performing Salah, a definite order, which is given in the Quran. If one is incapable of standing during Salah, he may say it by sitting down and if that is, also, not possible then it may be said, by lying down. Thus the order is to be followed although the leniency is there, to the extent, that if nothing else is possible, the Salah must be performed by the movement of the finger(to indicate the acts of Salah). Similarly if one cannot perform ablution (Wudhu) the relief of Tayummum is there. Thus for every predicament a solution has been provided. However, it is not allowed that anybody with a sane mind may leave willingly the performing of Salah. It is another thing, however, that many Muslims have denied themselves, the blessings of Salah by not saying them. Similar stipulation of a direct command of Allah (SWT) is that of establishing Zakat. Its standards are set. It is the amount payable on surplus money (money which is greater than the zakat limit) at a fixed rate after one year. Recently, some have been advocating, payment of Zakat in the month of Rajab or in Ramadan, but it should be kept in mind, the day the money became surplus, a year from that, is the time for the payment Zakat on it, will be due. By this standard, Zakat will not be bound to any one month but it may be incurred any time of the year. Similar are the injunctions of Hajj and Fasting. Their standards of practice are set. Whoever is legible to do so, have no choice but to complete these orders of Allah (SWT) Such injunctions are unequivocal orders and the Quran is witness to their validity.

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِیْ نَفْسِكَ......

What is this Quranic Aya asking us to do and what do we understand from it The remembrance of Allah (SWT) has been mentioned, in the Quran, 25-30 times directly and 700-800 times, indirectly. When something has been

the soul are corporeal, while the five Lataif(Qalb, Rûh, Sirri, Khaffi and Akhfa)[3] described in Chapter V—are incorporeal. Some argue in favour of an additional one, i.e. Sultan al-Azkar, taking the total to 11.These theories do not hold because the Lataif are incorporeal and subtle things. The inclusion of the soul is a mere probability. As for Sultan al-Azkar, it is not a Latifah at all, but a manner of zikr in which it is assumed that zikr is emanating from every cell of the body. In fact, the Lataif are only five, others being referred to as such only as probabilities.

Differences of the Lataif:

Some sûfis believe in the diversity of the Lataif, while others (the research scholars(are convinced of unification and argue in favour of only one, the Qalb, which they believe is endowed with a number of attributes. They contend that just as a person having a number of different attributes(e.g. a scholar, a Qari, a scribe, an orator, etc). continues to remain one entity similarly, the Qalb is also the focal point of all other Lataif. The variation in the signs, colour of lights and functions of the Lataif is ascribed to the multiplicity of attributes and does not alter the factual position of the Qalb. Should this point of view be accepted, a question will arise as to why the learned sûfis direct their disciples to focus their attention at different points in the chest during zikr although their method, in addition to being continuous has the backing of kashf. Therefore, diversity will have to be conceded. Now in the method called Zikr-e Qalbi, all attention is concentrated on the Qalb because it is the focal point of Divine lights and glories. Just as the Qalb has connection with the physical heart, other Lataif are connected, though analogously, to their respective points of location. That there are specific points in the human body denoting location of various Lataif is supported by Hadith, Abi Mahzûrah:

Then the Prophet (SAWS) placed his hand on the forehead of Abi Mahzûrah, moved it down on his face, onto his chest and according to another version, to his liver, and finally down to his navel, and invoked Divine blessings for him.

Note: The Prophet (SAWS) might have done this perchance, or with a specific purpose however, it proves that these points have definite sanctity, and that is our point.

Those who support the theory of unification argue that only Zikr-e Qalbi and not of other Lataif have been mentioned in the Hadith. However, Imam Ghazali in his Ahya ul-Ulûm(vol: III, p: 4(has recounted some of the Lataif and proved their unification adding that the Rûh, the Qalb, the intellect and the soul are one and the same thing the diversity among them is relative.

Continued...

3. The function of Qalb is zikr of Rûh- constant attention of Sirri- kashf of Khaffi- omnipresence, observation and manifestation of Divinity and of Akhfa- observation of Divinity and total communion.

desires set in, the expression Nafs becomes more appropriate because these two traits necessarily emanate from the Nafs.

What is Peace:

The preceding two traits of the Nafs, i.e. being inconsiderate and licentious, can be harnessed through endeavour and toil, e.g. by reducing diet, reticence, seclusion and piety. It is this harnessing, which in sûfi terminology is called peace and has three distinct stages:

1. The first stage is that of total absence of peace and tranquillity the soul at this stage is termed Nafs-e Ammarah (The Evil Soul)
2. The second stage is one of incompleteness the soul here is called Nafs-e Lawwamah(The Accusing Soul(
3. The third stage is one of absolute tranquillity this soul is termed as Nafs-e Mutma'innah(The Peaceful Soul).

Different Names of one Entity:

If a single entity is described in different words having the same antecedent, no contradiction takes place. For example, the creation of Prophet Adam (AS) has been described in the Qurān in different words:

Created him of dust. (3:59)

Of plastic clay. (15:26).

Created out of potter's clay of black mud altered. (15:33).

Of clay like the potter's. (55:14).

Thus the Nafs and the Rûh are two names for the same entity. The distinction is by way of attributes.

The difference is by way of attributes, and not in terms of essence. (Kitāb ar-Rûh by Ibn-e Qayyam, p: 265)

CHAPTER-VII
LATAIF AND THE ACCOMPLISHED SHEIKH

The learned sûfis are the authoritative interpreters of the fundamental statutes, by dint of their intuition, of Tariqah, gnosis and Islamic mysticism. They deduce the esoteric Zanni ordinances in the same manner as the learned jurists do with regard to similar exoteric ordinances. The former, however, have an edge over the latter and that is by way of kashf and ilhām. The endeavour of the jurists is through personal opinion in the light of relevant facts, while the sûfis make use of their kashf and ilhām—a Divine intuition. Obviously, a Divine intuition is superior to personal opinion. However, the yardstick for the validity of both methods is that their conclusions must not be at variance with the Book and the Sunnah though the superiority of the sûfi method is well established.

Ilhām is a light with which ALLAH honours any of His bondsmen He wills. (Fatah al-Bari M'a Bukhari, vol: XII, p: 315)

Personally, I prefer the Ijtehad of the learned jurists over kashf and ilhām, because this has been the practice of the sûfis themselves who have invariably followed the former. The jurists' endeavour, therefore, takes priority for practical purposes.

The Five Lataif:

The learned sûfis maintain that the human body has ten components. The four elements (air, water, fire, clay) and

An Objective Appraisal of The Sublime Path

Translation of "Dalail us Suluk" written by Hazrat Maulana Allah Yar Khan (RAU)

RUH (The Spirit) Chapter V - Continued...

Rûh gives movement to the body, while it gets its own life and movement from Divine lights. My dear fellow, it is not possible to comprehend this completely. Continuous zikr and contemplation, and spiritual voyage to the celestial worlds are impossible without the sincerity of the seeker and the tawajjuh of an accomplished Sheikh. (Fatãwa-e Aziziah, v: 2,p: 112)

CHAPTER-VI
NAFS(THE SOUL)

What is the Soul:

The Arabic word Nafs is either derived from 'Nafasat' (refinement or exquisiteness) because of its civility and elegance or from'Tanaffas' (breathing) because of its inevitable process of ingress and egress. If, on account of the latter attribute, the soul is taken to mean the spirit, it will be a fair assumption because during sleep it departs, and it returns upon awakening.

The Soul and the Spirit:

The soul and the spirit are two names of the same thing. *This is borne out by the Hadith Lail at-T'aris (The Night of Rest) Said Bilal to the Prophet (SAWS) "My Nafs was held by the same Power Who held yours ."The Prophet (SAWS) replied,"Our Rûhs were gathered away by the Creator."*

Note: The same thing called Nafs by Bilal has been referred to as the Rûh by the Prophet (SAWS). Conformity in the two statements is possible only by accepting two names for the same entity.

In the Qurãn, the term Nafs (the soul) has also been used to mean the Rûh.

Deliver up your souls)... (6:93)

ALLAH receives souls at the time of their death. (39:42).

Note: In both these verses, the word Nafs has been used to mean the Rûh. A majority of the Ulama agree on thi s . (Kitãb ar-Rûh by Ibn-e Qayyam, p: 264.

The Distinction:

Allama Abu Qasim Sohaili, in his Raudh al-Anf, has dwelt on this subject at length. He concludes that the Rûh and Nafs are one and the same thing the distinction lies in the attributes. At the first instance, that is, at the moment of 'breathing' by the Angel into the child in the womb it is the Rûh. After birth, when the child acquires various traits of character, commendable or infamous, it cultivates love for the physical body and engages in its well-being it is termed as Nafs. Before acquiring these traits, it is not correct to use the term Nafs. Thereafter, as heedlessness and carnal

MONTHLY
Al-Murshid

June 2016
Shaban-ul-Mukarram/Ramzan-ul-Mubarak 1437H

الله
رسول
محمد

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلشَّيْطَانُ
جَاثِمٌ عَلَى قَلْبِ ابْنِ آدَمَ فَإِذَا ذَكَرَ اللهَ خَنَسَ وَإِذَا غَفَلَ وَسْوَسَ (رواه البخاري)

Narrated by Hazrat Abi Huraira (RAU) that Prophet (SAWS) said: Satan keeps a close watch on the human qalb (heart), and waits for an oppertune moment to attack, when the person engages in Zikar Allah Satan goes away; and when he is heedless, Satan comes forward and whispers unto his qalb.

Guide your preference to (achieve) the [illegible] of Allah (SWT) [illegible] Allah (SWT) I (beg) to seek you. Now for this to (happen) [illegible] above the worldly loss or gain. (Page [illegible])
Sheikh-ul-Mukarram Ameer Muhammad [illegible] Awan [illegible]

MOSQUE OF MUHAMMAD ALI, THE CITADEL

MONTHLY AL-MURSHID PS/CPL # 15
[illegible] ASIA SOCIETY, COLLEGE ROAD, TOWN SHIP LAHORE